هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی رسالہ اردو

ریویو آف ریلیجنز

قادیان سے ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

نمبر ۱ ۵ جنوری سنہ ۱۹۳۷ء ۱۷ شوال سنہ ۱۳۵۵ء جلد

قاضی محمد ظہور الدین اکمل

فہرست مضامین

ضرورتِ مذہب ۲/۱۲

اسلام بمقابلہ دیگر مذاہب ۱۳/۲۴

از افاضات سیدنا امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

Digitized by Khilafat Library

اندرون ہند سے تین روپے سالانہ — مستحق طلباء اور غیر احمدیوں سے ۲ — بیرون ہند سے تین روپے ۸ رسالہ

قابل توجّہ احباب جماعت احمدیہ

اکثر تعلیم یافتہ دوستوں کا تقاضا تھا کہ آجکل لامذہبی کا فتنہ بڑھ رہا ہے۔ اس لئے ضرورت مذہب پر مضامین شائع ہونے چاہئیں۔ الحمد للہ کہ مجھے اس سلسلہ میں سب سے پہلا مضمون جو ملا وہ سیّد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے افاضات سے ہے۔ اور جو ابھی تک شائع نہیں ہوا تھا۔ افادہ ناظرین کیلئے مَیں نے ایک ہی اشاعت میں تمام دیدیا۔ اور اس کی اہمیت کے لحاظ سے کسی اور مضمون کو اسکے ساتھ ملانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ رسالہ زیادہ تعداد میں چھپوایا گیا ہے۔ تاکہ دوست اس کی متعدد جلدیں بحساب چار آنے فی جلد منگوا کر تقسیم کریں۔ جتنی جلدیں مطلوب ہوں جلد خرید لیں۔ اور اس رسالہ کے مستقل خریدار تین روپے سالانہ پیشگی ادا کرکے فائدہ اُٹھائیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خواہش مبارک کو پورا کرکے سعادت دارین حاصل فرمائیں۔ مندرجہ ذیل چند اور رسالے بھی کم یاب و قابل دید ہیں:-

نام رسالہ	اصل قیمت	رعایتی	نام رسالہ	اصل قیمت	رعایتی
خُلق محمدیؐ منظوم	/۳	/۰۱	مسئلہ معراج الرسول	/۵	/۰۲
چند روحانی بیماریوں کا علاج	۲	/۱	مقصد مذہب	/۳	/۲
صداقت مسیح موعودؑ	/۳	/۰۱	مجمع البحرین	/۵	/۳
نشانات احمدؐ	/۲	/۱	کمالات احمدیہ	/۴	/۲
مقدّس نبیؐ کے مقدّس حالات	/۴	/۲	استخلاف	/۴	/۳
افادات الفریدی	/۲	/۱	قبولیت دُعا کے چھپاسی گُر	/۱	/۱
اسلامی قادر مطلق اور آرین سروشکتیمان	/۴	/۲	معارف القرآن	/۱۰	/۵
			نغمہ اکمل حصّہ ہشتم	/۱	/۱
مباحثہ نیروبی ۳ جلد	/۱۲	/۶	" " نہم	/۱	/۱
البیان الوفی فی معنی التوفّی	/۴	/۲	اگلا رسالہ وی پی ہوگا		
نش کلنک اوتار	۶	/۳			
مباحثہ مصر (پادری سے)	/۴	/۲			

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

Digitized by Khilafat Library

ضرورتِ مذہب

(از افاضات سیّدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ)

یہ سوال ہی کہ کیا بنی نوع انسان کو مذہب کی ضرورت ہے؟ بتاتا ہے۔ کہ دُنیا میں مذہب کے متعلق قسم قسم کے خیالات اور اُس کی ضرورت د[illegible] احساس پیدا ہو رہا ہے۔

بعض لوگوں کا یقین ہے۔ کہ مذہب سے بغیر گذارا کیا جا سکتا ہے۔ یعنی انسان بغیر کسی الہامی شریعت کی امداد و رہنمائی کے بامقصد اور بامُراد زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ اعتقاد مختلف وجوہات کی بناء پر پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسا جامع جواب دینا۔ جو سب کو مطمئن کر سکے۔ ممکن نہیں ہے کیونکہ اگرچہ خیال سب کا ایک ہی ہے۔ لیکن اُس کی وجوہات مختلف ہیں۔ اس لئے مَیں صرف چند اہم سوالات کو لیتا ہوں جو میرے مطالعہ کے دَوران میں میرے دماغ میں پیدا ہوئے یا جو وقتاً فوقتاً مجھ سے دریافت کئے گئے۔ مَیں ان سب سوالات کا فرداً فرداً جواب دوں گا۔ اور پھر اِن سب کے متعلق ایک عام تبصرہ کروں گا۔

پہلا اعتراض

پہلا اعتراض اِس سِلسلہ میں یہ کیا جاتا ہے۔ کہ مذہب اختلافِ رائے پیدا کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں نقصِ امن پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ یہ دیکھ کر میرا سَر ندامت کے مارے جُھک جاتا ہے۔ اور میرے دِل میں غم اور افسوس پیدا ہوتا ہے۔ کہ بعض نادان اور گمراہ کُن "مذہبی لوگوں" کی طرف سے ایسی حرکات کی جاتی ہیں۔ جو مذہب کو بدنام کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور مذہب کے نام پر بٹّہ لگاتی ہیں۔ نہ صرف مختلف مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے

کاسَر پھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی مذہب کے آدمی آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے پر گند اور کیچڑ اُچھالتے رہتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوتا ہے۔ کہ بعض نہایت معمولی اور حقیر وجوہات کی بنا پر ایک دوسرے کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ گائے ذبح کرنے پر انسان ذبح کر دئے جاتے ہیں۔ اور مسجدوں کے آگے باجہ بجانے کی وجہ سے انسانی خون کر دیا جاتا ہے۔ اگر پیپل کی چند شاخیں کاٹ دی جائیں۔ تو اُس پر نوجوانوں کا خون کرنے کو لوگ تیار ہو جاتے ہیں۔ اِن معمولی وجوہات کی بناء پر ہندوستان کا امن کئی مرتبہ خطرہ میں پڑ چکا ہے۔

ایک ٹھنڈے دِل سے غور کرنے والے عقلمند آدمی کو پیپل کی چند شاخوں کے کاٹنے۔ اور باجہ بجانے اور مذہب کے درمیان شاید کوئی تعلّق نظر نہ آئے۔ لیکن یہ نہایت افسوسناک امر ہے۔ کہ اِن معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں تو ایک دوسرے کو نقصان پُہنچانے میں دریغ نہیں کرتے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ ایسی باتیں مذہب کے لئے باعثِ عزّت نہیں ہو سکتیں۔ خواہ [illegible] مذہب کے نام پر کی جائیں۔ اُن کا نتیجہ سوائے مذہب کو بدنام کرنے اور خدا تعالیٰ کا غضب [illegible] کانے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مذہب کے نام پر انسانی خون بہانے والے شاید خیال کرتے ہوں۔ کہ وہ ایسا کر کے مذہب کی خدمت کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اُسے نقصان پُہنچا رہے ہوتے ہیں۔ اور اپنے مذہب کے خلاف لوگوں کے دل میں نفرت و حقارت کا بیج بو کر اُن کو متنفّر کر رہے ہوتے ہیں۔ اُن کی مثال اُس ریچھ کی سی ہے۔ جس نے اپنے آقا کے مُنہ پر سے مکھّی اُڑاتے اُڑاتے اُسی کو پتھّر سے مار ڈالا تھا۔

مجھے افسوس ہے۔ کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ مغربی ممالک بھی جو نہایت مہذّب اور متمدّن سمجھے جاتے ہیں۔ اور جن کا دعویٰ ہے کہ وہ دوسری اقوام کو اخلاق اور تہذیب سکھاتے ہیں اس مذموم ذہنیّت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اور وہ بھی اِن معمولی معمولی باتوں پر آپسمیں سر پھٹول کرتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہزاروں زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔

پس اِس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ مذہب کے نام پر لڑائیاں جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مذہب کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔

کسی مذہب کی کتابیں پڑھ ڈالو۔ تم کو کوئی ایسی تعلیم نہیں ملے گی۔ جو ایسی باتیں برداشت کر سکے۔ مَیں نے دیگر مذاہب کی کُتب پڑھی ہیں۔ اور مَیں شہادت دیتا ہوں کہ ہندو مذہب اُس طرح ہرگز خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔ جس طرح اُس کے بعض گمراہ کُن پیرو کار بہاتے رہتے ہیں۔

مَیں پھر کہتا ہوں۔ کہ ہندومت اِس الزام سے قطعاً بری ہے۔ اور قرآن مجید ہرگز اِس بات کی تصدیق نہیں کرتا۔ کہ مسجدوں کے آگے باجہ بجانے کی وجہ سے سَر پھوڑ ڈالنے چاہئیں۔ اسلامی تعلیم اِس قسم کی ذہنیت پیدا نہیں کرتی۔ اور نہ برداشت کرتی ہے۔ بلکہ وہ ہر لحاظ سے نہایت پُختہ اور مکمّل ہے۔ عیسائیت بھی مذہب کے نام پر دوسروں سے جھگڑا کرنے کے لئے اپنے متبعین کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ اگر امریکہ کے بعض حصّوں میں گورے لوگ حبشیوں کو جلاتے اور اُن کو قسم قسم کی ایذا رسانی کے دینے میں مصروف رہتے ہیں۔ تو اُس کی وجہ عیسائیت کی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ امریکہ کی اپنی یا اُس کی تہذیب کی تعلیم ہے۔

پس اِس بات میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ کبھی کسی مذہب نے اپنے پیروکاروں کو نسل۔ قومیّت یا رنگت کی وجہ سے دوسرے لوگوں پر ظلم وتعدّی کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ہر مذہب کا دعویٰ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ واحد ہے۔ اور وہ رحمٰن رحیم ہے۔ اور سب انسان برابر ہیں۔ اور اُن کو اپنے اندر رحیمیت کی صفت پیدا کرنی چاہیئے۔ اور امن وامان سے رہنا چاہیئے۔ پس قصور مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کا ہے۔ قرآن، وید اور بائیبل کا نہیں۔

لیکن مَیں اُن لوگوں سے جو مذہب کو عدم تشدّد اور ظلم وتعدّی کا حامی سمجھتے ہیں دریافت کروں گا۔ کہ کیا سائنس نے جس کو وہ مذہب کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ مذہب سے بھی زیادہ خون نہیں بہایا؟ کیا وہی اعتراض جو وہ مذہب پر آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ سائنس پر بھی اُسی طرح منطبق نہیں ہوتا؟ بلکہ مذہب تو اپنے پیروکاروں کو صلح وصفائی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اگرچہ اِس تعلیم پر عمل نہیں کیا جاتا۔ لیکن سائنس کے پاس اِس تعلیم کے بدلہ میں کیا ہے۔ کیا سائنس نے کئی ایسے آلات ایجاد نہیں کئے۔ جو گذشتہ زمانہ میں تباہی وبربادی کا باعث ہوئے۔ کیا زہریلی گیسیں اور خطرناک بم جو انسانی زندگی اور مال واسباب کی تباہی کا باعث ہوئے ہیں۔ سائنس کی پیداوار نہیں ہیں؟

اگر تم مذہب کو اِس وجہ سے قصوروار ٹھیراتے ہو۔ کہ اُس کے نام پر کئی بے گناہ جانیں تلف کی گئیں۔ تو تمھیں سائنس کو بھی قصوروار ٹھیرانا ہوگا۔ کیونکہ اُس کے خطرناک آلات کی وجہ سے اتنے آدمی ایک وقت میں تباہ وبرباد ہو سکتے ہیں جتنے مذہب سالہا سال میں بھی نہیں کر سکتا۔ اور اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ کہ سائنس تباہی وبربادی کے آلات بہتری وبہبودی کے آلات کی نسبت کہیں زیادہ بناتی ہے۔ پس سائنس پر بھی وہی اعتراض ہو سکتا ہے جو مذہب پر کیا جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض

دوسرا اعتراض مذہب کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے یا اُس کی ضرورت کو رد کرنے کے لئے یہ کیا جاتا ہے۔ کہ مذہب انسانی عقل و فہم کی ترقی میں حائل ہے۔

مسٹر برنارڈ شا اِس خیال کے حامی ہیں۔ اور اگرچہ یہ خیال بظاہر درست نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اِس کی کوئی حیثیت نہیں۔

اِس خیال کی حمایت میں مذہب کے مخالفین یہ کہتے ہیں۔ کہ انسان کی ترقی تجربات پر مبنی ہے اور اِس وجہ سے اُن غلطیوں پر اُس کی بنا ہے۔ جو تحصیل علم کے دوران میں لگتی ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ جب تک انسان تجربہ یا غلطیاں نہ کرے اُس وقت تک وہ صحیح علم حاصل نہیں کر سکتا۔

اگر مذہب نے صحیح اور آخری تعلیم اپنے ماننے والوں کو مہیا کی ہے۔ تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ اب انسان کو اپنی عقل و فہم کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب تمام مسائل حل شدہ ہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم نیکی اور بدی کو معلوم کرنے کے لئے اپنا دماغ خرچ کریں۔

پس کہا جاتا ہے کہ مذہب انسانی عقل و فہم کو زائل کر دیتا ہے۔ اور اُس کی تکمیل نہیں ہونے دیتا۔

Digitized by Khilafat Library

میرا جواب اِس اعتراض کے لئے یہ ہے۔ کہ اگر کوئی مذہب انسانی ترقی کو مسدود اور عقل و فہم کو مخدوش کرتا ہے۔ اور اپنے پیروکاروں کو اندھا دھند تقلید کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ تو مَیں سب سے پہلے اُس کی مخالفت کرنے کیلئے تیار ہوں گا۔ لیکن یہ بات بالکل بعید از قیاس ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ہمیں خود عقل و فہم عطا کرے۔ اور پھر خود ہی اُس کے استعمال سے روک دے۔ یہ خدا تعالیٰ کی صفتِ حکیمیت کے خلاف ہے کہ وہ اِس تضاد کو دُنیا میں برداشت کرے۔ حقیقت یہی ہے۔ کہ اگر انسان کے پاس کوئی ازلی اور ابدی صداقت ہو۔ تو اُس کے یہ معنی نہیں کہ وہ عقل و حکمت کی ترقی کو مسدود کر دے گی۔ اگر یہ بات صحیح تسلیم کر لی جائے تو پھر سائنس کے تمام اصولوں اور اُس کی تمام ایجادوں کو بھی رد کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ چیزیں بھی انسانی تدبّر کی ترقی میں حارج ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں۔ کہ جب سائنسدان قدرت کے کسی راز کو معلوم کرتا ہے یا کسی نئی بات سے آگاہ ہوتا ہے۔ تو وہ اُسے ایک مُسلّمہ حقیقت اور اصول کے طور پر دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لیکن کیا اِس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جس دن سائنسدان نہایت محنت و مشقت سے کسی قدرت کے

راز کا انکشاف کرے۔ اُسی دن لوگوں کو یہ شور مچا دینا چاہیئے۔ کہ اس انکشاف سے انسانی فہم و تدبّر کی ترقی رُک جائیگی۔ یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ جب کسی نئی بات کا انکشاف یا کسی نئے اصول کی تردید ہوتی ہے۔ تو اگر اُس سے تحقیق و تدقیق کا ایک دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ تو دوسرے کئی دروازے کھُل جاتے ہیں۔ اس طرح ہزاروں لاکھوں مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور انسان کی عقل و فہم ترقی پاتے رہتے ہیں۔ ایک وقت تھا جب پانی ایک عنصر سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں معلوم ہُوا۔ کہ یہ مرکب ہے۔ کیا جب پانی کو ایک عنصر خیال کیا جاتا تھا اُس وقت انسانی عقل کو کوئی نقصان پہنچا۔ یا جب معلوم ہُوا کہ پانی مرکب ہے تو کیا وہ آئندہ ترقی کرنے سے رُک گئی۔ کیا اِس انکشاف نے کہ پانی مرکّب ہے کئی مسائل اور ایسے پیدا نہ کردئے کہ انسان کا دماغ مشغول رہا۔ اور عقل و فہم ترقی پاتے رہے۔ پس یہ کہنا درست نہیں کہ جب انسان کے پاس ایک ابدی سچائی آجاتی ہے تو وہ انسان کے دماغ کی ترقی کو روک دیتی ہے۔

ایک حل شدہ مسئلہ کے ساتھ ہی کئی قابل حل مسائل پیدا ہوجاتے ہیں جو سائنس کے طالب علموں اور تحقیق کے شیدائیوں کو غور و فکر کرنے کے لئے خوراک بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔

ایک ثابت شدہ مسئلہ کی مثال تو ایک سورج کی سی ہے۔ جس طرح سورج کے گرد کئی سیارے گھومتے ہیں۔ اِسی طرح ثابت شدہ مسئلہ کے گرد بھی کئی قابلِ تصفیہ مسائل چکّر لگاتے رہتے ہیں۔ جب ایک مسئلہ حل ہوجاتا ہے تو دوسرے مسائل دندانِ اژدر کی طرح پیدا ہوجاتے ہیں۔ اِس طرح سے انسانی دماغ کبھی بیکار نہیں رہتا۔ اِس سوال کو سمجھنا نہایت آسان ہوجاتا ہے۔ جب ہم یہ سمجھ لیں کہ سائنس خدا تعالیٰ کا کام ہے اور مذہب اُس کا کلام ہے۔ اِس لئے کام اور کلام میں کوئی تضاد پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُن کا منبع ایک ہی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ سائنس میں تو ایک مسئلہ کا حل کئی دوسرے مسائل پیدا کردے۔ اور اس طرح سے انسان کی عقل بڑھتی رہے۔ لیکن مذہب میں خدا تعالیٰ کے کلام کی وجہ سے دماغی ترقی مسدود ہوجائے اور ابدی سچّائیوں سے کوئی ایسے نئے مسائل پیدا نہ ہوں جو انسان کی عقل و فراست کو تیز کریں۔

بات یہ ہے کہ جس طرح سائنس میں ایک حقیقت کا انکشاف دوسری باتوں کی تحقیق کے لئے میدان کھول دیتا ہے۔ اِسی طرح مذہب کی سچّائیاں بھی کئی دوسرے مسائل پیدا کردیتی ہیں۔ جن کے لئے لمبے مطالعہ اور تدقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ مَیں اِس کو ایک مثال کے ذریعہ سے واضح کرتا ہوں:۔

شراب اور جُوا اسلام میں ممنوع ہیں۔ اب کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر انسان کو آزاد چھوڑ دیا جاتا اور وہ خود ٹھوکریں کھا کھا کر اور لمبے تجربے کر کر کے اِس نتیجہ پر پُہنچتا۔ کہ شراب اور جُوا انسان کی صحت اور اخلاق کے لئے مضر ہیں تو وہ اس کی دماغی ترقی کے لئے مفید ہوتا۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ قانون اپنے اندر کئی مطالب رکھتا ہے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے۔ کہ جُوئے اور شراب کے نقصانات اُن کے فائدوں سے زیادہ ہیں۔ اب قرآن کے اِس حُکم کی وجہ سے ہمارے ہاتھ میں ایک صاف اور واضح قانون آگیا۔ کہ جس چیز کا نقصان اُس کے فائدہ سے بڑھ جائے۔ وہ استعمال نہ کرنی چاہیئے ہماری روزمرّہ کی زندگی میں کئی باتیں ایسی آتی ہیں۔ جن کے متعلق قرآن مجید میں کوئی بالصراحت حُکم نہیں کہ آیا وہ اچھی ہیں یا بُری۔ پس ہمارے پاس ایک معیار آگیا۔ جس کے ذریعہ ہم ہر چیز کو پرکھ سکتے ہیں۔ اگر اُس چیز کے فائدے زیادہ ہوں۔ تو ہم اس کو استعمال کر سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

پھر شراب اور جُوئے کی ممانعت کا حُکم اپنے اندر ایک اور حکمت رکھتا ہے۔ یعنی یہ چیزیں بالکل بُری نہیں ہیں۔ بلکہ اِن کے فائدے بھی ہیں۔ یہ ہمیں ایک اور قانون بتاتا ہے۔ کہ بعض اشیاء میں فائدے اور نقصان دونوں پائے جاتے ہیں۔ اور بعض اشیاء میں وہ اکٹھے نہیں ہوتے۔ جس چیز میں فائدے اور نقصان دونوں پائے جاتے ہوں۔ لیکن اُس کے نقصان فائدوں کی نسبت زیادہ ہوں تو وہ جائز نہیں ہوگی۔ لیکن اگر فائدے اور نقصان دوش بدوش نہ ہوں تو جس چیز کے نتائج اچھے ہوں وہ استعمال کر لینی چاہیئے۔ اور جس چیز کے نتائج اچھے نہ ہوں وہ استعمال نہ کرنی چاہیئے۔ اگر ایک شخص کو پیچش لگی ہوئی ہو تو گندم کی روٹی کھانے کی باوجودیکہ گندم مفید ہوتی ہے۔ اجازت نہیں دی جائیگی۔ کیونکہ اُس سے پیٹ میں اپھراؤ پیدا ہوتا ہے۔ اور انتڑیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

پس قرآن مجید کے اِس چھوٹے سے حُکم میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ علم و حکمت کا ایک خزانہ بھرا ہُوا ہے جو ہماری روزمرہ کی باتوں کے سُلجھانے میں کام آسکتا ہے۔

پس یہ کہنا غلطی ہے۔ کہ اِس حُکم کی وجہ سے انسانی دماغ کی ترقی رُک گئی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے یہ ازلی ابدی سچائی مہیا کر کے انسان کو اِس بات کے لئے ذمّہ وار بنا دیا۔ کہ وہ بیسیوں دوسری چیزوں کے متعلق یہ دریافت کرتا رہے۔ کہ اُن میں مفید کونسی ہیں ... ... تاکہ وہ اُن سے فائدہ اُٹھائے۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنی ازلی حکمت سے انسان کی دماغی ترقی کے لئے ہزاروں دروازے کھول دئے ہیں۔ اور ایک راز بتا کر ہمارے

ہاتھ میں دیگر مسائل کو سلجھانے کے لئے کئی چابیاں دیدی ہیں۔

پس یہ اعتراض مذہب پر نہیں ہو سکتا۔ اِس لئے اُسے اِس اعتراض کی بنا پر چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اگرچہ اس کی کوئی اور شکل جس میں یہ نقص ہو ترک کی جا سکتی ہے۔ جس طرح ایک شخص بعض اشخاص یا کسی خاص سوسائٹی میں نقائص دیکھ کر انسانی سوسائٹی کو ہی چھوڑ نہیں بیٹھتا اِسی طرح مذہب کو صرف اس بنا پر چھوڑنا کہ بعض مذاہب کی تعلیمات انسانی رہنمائی کے اُس کامل معیار کو نہیں پہنچتیں جو کسی حقیقی مذہب کا ہونا چاہیئے۔ قرینِ دانشمندی نہیں ؛

تیسرا اعتراض

تیسرا ہتھیار جو مذہب کے مخالفین کے پاس ہے جس کے ذریعہ سے وہ مذہب کے اِس دعویٰ کا کہ وہ انسانی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہے۔ کہ مذہب اپنے ماننے والوں میں توہم پرستی پیدا کرتا ہے۔ اور اِس طرح سے وہ انسان کی دماغی ترقی میں حارج ہوتا ہے۔

مَیں پھر کہوں گا۔ کہ جو مذہب اپنے پیرو کاروں کو توہم پرست بناتا ہے۔ اُس کا کوئی حق نہیں کہ وہ انسان کے لئے مفید ہونے کا دعویٰ کرے۔ لیکن دراصل مذہب توہم پرستی پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے متبعین میں ایک زبردست یقین کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ کوئی عیسائی ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ملے گا۔ جو یہ کہے کہ مذہب واقعی توہم پرستی پیدا کرتا ہے۔ بلکہ وہ دعویٰ اور یقین کے ساتھ کہ سکے گا۔ کہ مذہب کی وجہ سے خدا تعالیٰ میں ایک پختہ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ جہاں تک اِس دعویٰ کا تعلق ہے۔ تمام مذاہب برابر ہیں۔ لیکن اگر کوئی مذہب اِس بلند معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ اور اپنے پیرو کاروں میں خدا تعالیٰ کے متعلق ایک پختہ یقین پیدا نہیں کرتا تو وہ مذہب ردّ کرنے کے قابل ہے۔ لیکن تمام مذاہب ردّ کرنے کے قابل نہیں۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ مذہب توہم پرستی پیدا کرتا ہے۔ تو یہی اعتراض سائنس پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ مَیں نے کئی سائنسدان ایسے دیکھے ہیں۔ جن کی توہم پرستی اور جن کے وہم سے مجھے تعجّب ہُوا ہے۔ مجھے کئی ڈاکٹروں کے متعلق علم ہے۔ کہ وہ بیماری کے ایّام میں بدحواس ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کو یہ خطرہ لگا رہتا ہے۔ کہ کہیں اُن کو بھی مریض کی بیماری نہ لگ جائے۔ حالانکہ وہ بیماری متعدی نہیں ہوتی۔ پھر وہ اپنی بیوی بچّوں کو پیار نہیں کرتے کہ کہیں اُن کے جسم میں جراثیم نہ گھس جائیں۔ اِسی طرح وہ کئی دفعہ صابن سے ہاتھ دھونے کے بغیر

معمولی بخار والے مریضوں کی بھی نبض نہیں دیکھتے -

پس اگر بعض مذہبی لوگ وہمی ہیں - تو سائنس دانوں میں بھی ایسے آدمیوں کی کمی نہیں - اگر مذہب کو توہم پرستی کا ذمّہ وار قرار دیا جائے تو سائنس کو بھی توہم پرستی کا ذمّہ وار ٹھیرانا چاہیئے کیونکہ سائنسدانوں میں بھی مذہبی آدمیوں کی طرح خبطی اور جنونی لوگ موجود ہیں -

الغرض اگر مذہب کو اس بنا پر ردّ کیا جا سکتا ہے - تو سائنس کو بھی اِسی بنا پر ردّ کیا جا سکتا ہے -

دراصل بات یہ ہے - کہ جو لوگ مذہب پر یہ الزام لگاتے ہیں - اور سائنس کو اُس سے بری قرار دیتے ہیں - وہ یہ بھول جاتے ہیں - کہ مذہب خدا تعالیٰ کا کلام ہے - اور سائنس اُس کا کام - اور اِن دونوں میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا -

پس ایک سچّے مذہب کی تعلیمات سے قدرت کے اصول کبھی جھٹلائے نہیں جا سکتے - اور محض خیال آرائیوں اور قیاسات سے جن کو لوگ غلطی سے سائنس سمجھ بیٹھتے ہیں - مذہب کی اہمیّت کم نہیں ہو جاتی -

اگر اُن تغیّرات پر غور کیا جائے - جو سائنس کی تھیوریوں میں گذشتہ چند سالوں میں آیا ہے تو معلوم ہوگا - کہ پچاس فیصدی تھیوریاں جو گذشتہ تین سو برس سے صحیح تسلیم کی جا رہی تھیں - غلط ثابت ہو گئی ہیں - اِس سے اُن لوگوں کے خیالات کی کمزوری واضح ہوتی ہے - جو محض اِس بناء پر مذہب اور سائنس میں اختلاف ثابت کرنے لگ جاتے ہیں - کہ عارضی طور پر کوئی سائنس کی تھیوری خدا تعالیٰ کے الہامی کلام کے ساتھ منطبق نہیں ہوتی - کیا نیوٹن کے اصول جن کو ایک عرصۂ دراز تک اٹل سمجھا جاتا تھا - اب تبدیل نہیں ہو گئے - کیا آئین سٹائن نے اُن کی جگہ کوئی اور اصول بیان نہیں کئے ؟ کیا دُنیا میں کوئی بھی سائنسدان یا فلاسفر ہے - جس کی تھیوریوں پر شکوک و شبہات کی گنجائش نہ رہی ہو ؟

اختلاف صرف اُس وقت پیدا ہوتا ہے - جب خدا تعالیٰ کے کلام کو سمجھنے میں غلطی ہو - لیکن اِس کے یہ معنی نہیں - کہ سائنس اور مذہب میں کوئی اختلاف ہے - یہ اختلاف تو لوگوں کے درمیان ہوتا ہے - اور اپنے خیالات کو وہ غلطی سے سائنس یا مذہب تصوّر کر لیتے ہیں - پس یہ ہے اصل حقیقت - اور باقی رہی توہم پرستی وہ بہر حال قابلِ مذمّت ہے - خواہ وہ مذہب میں پائی جائے یا سائنس میں - تعلیم یافتہ میں پائی جائے یا غیر تعلیم یافتہ میں -

مَیں ایسے سائنسدانوں کو جانتا ہوں۔ جن کا وہم اُن کے علم کو بھی شرما دیتا ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ جُوں جُوں انسان کسی شعبہ میں ماہر ہوتا جاتا ہے۔ اُس کا خبط اور جنون بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ میرے ایک رشتہ دار ہیں۔ جو ہپناٹزم میں ماہر ہیں۔ لیکن جتنی اُن کو ہپناٹزم میں مہارت ہے۔ اُتنی ہی اُن میں توہم پرستی ہے۔ اب یہ توہم پرستی نہ تو مذہب کی وجہ سے ہے۔ نہ سائنس کی وجہ سے۔ بلکہ کسی حد تک انسانی طبائع کی کمزوری ہے۔ ورنہ مذہب اور سائنس میں کسی اختلاف کا ہونا ناممکن ہے۔

چوتھا اعتراض

چوتھا اعتراض مذہب کے خلاف یہ کیا جاتا ہے۔ کہ چونکہ انسان کی ضروریات حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ اس لئے اگر کوئی اٹل اور غیر متبدّل شریعت مقرر کر دی جائے تو اس سے وہ کئی مشکلات میں پھنس جائیگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ ساڑھے تیرہ سو برس ہوئے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُنیا کو ایک مذہب دیا۔ جو اُس وقت کے حالات کے مطابق مفید تھا۔ لیکن اب چونکہ عرصۂ دراز گذر چکا ہے اور انسانی حالات بدل چکے ہیں۔ اس لئے شریعت کے قوانین پر چلنے سے مسلمانوں کی حالت کچھ عجیب ہو گئی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اسلام کے قوانین کا امتحان کیا گیا ہے۔ لیکن اُن میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح قریباً تمام قوانین پر سخت اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ملائکہ کے وجود کا انکار کیا جاتا ہے۔ کثرت ازدواج کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ سُود کی ممانعت والے قوانین کی یہ کہکر خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ کہ وہ پُرانا طریق ہے۔ روزوں کے حکم کو غیر معمولی مشقّت کا باعث اور بعض اوقات صحت کے لئے غیر مفید سمجھا جاتا ہے۔ الغرض کوئی بھی حکم نکتہ چینی سے محفوظ نہیں رہا۔ اور لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ تعلیمات پُرانے زمانہ کے حالات کے مطابق تھیں۔ اور اب بیسویں صدی میں یہ مسلمانوں کی ترقی میں حائل ہیں۔ اُن کے خیال میں اِن نقائص کا ازالہ یُوں ہو سکتا ہے۔ کہ قرآنی شریعت کی بجائے انسانی شریعت نافذ کی جائے۔ تاکہ حالات کے ساتھ ساتھ اُس میں تغیّر و تبدّل ہو سکے۔

یہ اعتراض بظاہر کچھ وزنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے اس کی اہمیّت بھی جاتی رہتی ہے۔ اِس اعتراض کے جواب میں مَیں وہی کہوں گا۔ جو پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ جو مذہب زمانہ کے ساتھ ساتھ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اور جس مذہب کی تعلیمات ہر زمانہ میں قابلِ عمل نہیں ہیں۔ وہ ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لئے مستقبل کوئی راز نہیں۔ بلکہ وہ اُس کے سامنے

ایک کتاب کی طرح عیاں ہے۔ چونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ اِس لئے وہ حال کی ضروریات کو بھی سمجھتا ہے اور اُن ضروریات کو بھی جانتا ہے۔ جو آیندہ ہزاروں لاکھوں سالوں میں پیدا ہونے والی ہیں۔ پس اگر وہ ایک کلام نازل کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ یہ تعلیم ہر زمانہ اور ہر مقام کے لئے ہے۔ تو انسانی حالات میں کوئی تغیّر بھی اُس تعلیم سے بالا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ علیم و خبیر خدا کی طرف سے (جو حال کو بھی جانتا ہے۔ مستقبل کو بھی جانتا ہے۔ اور ماضی کو بھی جانتا ہے) نازل ہوئی ہے۔

پس اگر کوئی مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونیکا دعویٰ کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے۔ کہ وہ ہر مقام اور ہر زمانہ کے لئے اُترا ہے۔ لیکن اگر عملی طور پر وہ حالات کی تبدیلی کے ساتھ انسان کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔ تو یا تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ اور یا وہ کسی خاص زمانہ اور کسی خاص قوم کے لئے نازل ہُوا ہے۔

کہا جا سکتا ہے۔ کہ تمام مذاہب ہر حال اور ہر ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں۔ کہ کوئی مذہب بھی ہر حالت اور ہر ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ اگر بعض مذاہب کی بعض تعلیمات قابلِ عمل نہ ہوں۔ اور اس اعلیٰ معیار کو نہ پہنچیں۔ تو اُس کے یہ معنی نہیں۔ کہ کوئی مذہب بھی اِس معیار کو نہیں پہنچ سکتا۔ مَیں کہہ سکتا ہوں۔ کہ اسلام اِس معیار کو پورا کرتا ہے۔ خواہ حالات کسقدر تبدیل ہو جائیں۔ لیکن قرآنی تعلیمات میں سے ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی۔ جو نئے حالات کے مطابق نہ ہو۔ بلکہ ہر وقت اپنی ہار ماننے کے لئے تیار ہوں۔ اگر کوئی شخص مجھے یہ دکھائے۔ کہ فلاں تعلیم پُرانے زمانہ میں یا موجودہ زمانہ میں قابلِ عمل نہیں تھی یا نہیں ہے۔ میرے دعویٰ کو شاید مبالغہ سمجھا جائے۔ لیکن یہ مبالغہ نہیں ہے۔ وید اور بائبل پر یہ اعتراض چسپاں ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن شریف پر نہیں۔

پانچواں اعتراض

پانچواں اعتراض مذہب کے خلاف یہ کیا جاتا ہے۔ کہ مذہب ہمیں ایسی باتوں پر ایمان لانے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ جن کا ہماری روزمرّہ کی عملی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ ہمیں فرشتوں پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ در آں حالیکہ خواہ وہ موجود ہوں یا نہ ہوں۔ اُن کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر وہ بالفرض موجود بھی ہوں۔ تو ہمیں اُن کے فرائض اور اُن کے طریقِ عمل سے کیا واسطہ؟

میرا جواب اِس اعتراض کے لئے یہ ہے۔ کہ اگر مذہب کی طرف سے کوئی ایسی بات پیش کی جائے جو علم اور عقل کے خلاف ہو۔ تو ہمیں اُس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دینا چاہیئے۔ آپ فرشتوں کو چھوڑیئے کیونکہ ہم اُن کو اپنی جسمانی آنکھوں کے ذریعہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ اور وہ عالمِ ارواح کے ساتھ تعلّق رکھتے ہیں۔ لیکن ہم تو دُنیاوی اور نظر آنیوالی باتوں پر بھی جب تک کہ ہماری عقل تسلیم نہ کرے۔ ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ جب سورج چڑھا ہُوا ہو۔ تو ہم کسی دلیل اور حُجّت کی بناء پر بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ یہ رات ہے۔ وہ مذہب جو ہم سے ایسی باتوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ جو درحقیقت موجود نہیں ہوتیں۔ یقیناً جھوٹا ہے۔ لیکن اگر وہ ہمارے سامنے سچّی تعلیم پیش کرتا ہے۔ تو اُس کو ردّ کر دینا بھی انتہا درجے کی ضد اور نادانی ہے۔

اگر کوئی تعلیم اِس بناء پر ردّ کر دی جائے۔ کہ وہ ہمارے حیطۂ عقل سے باہر ہے۔ تو یہ بات تو سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن مذہب کی سچّائی پر یہ کہکر ایمان نہ لانا۔ کہ اس کا ہمارے ساتھ تعلّق کوئی نہیں بالکل بعید از فہم ہے۔ ہر روز ہم اخباروں میں ہزاروں واقعات اور حوادث ایسے پڑھتے ہیں اور اُن میں دلچسپی لیتے ہیں۔ جن کا بظاہر ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہمیں اُن میں دلچسپی لینے سے کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی ہم اُن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اُن پر بحثیں کرتے ہیں۔ اور اُن کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ اِس لئے نہیں کہ ہم کو اُن سے کوئی نفع ہوگا۔ بلکہ صرف اس لئے کہ وہ عام واقفیّت کی باتیں ہیں اور عام واقفیّت کے بڑھانے سے عقل پختہ ہوتی ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ آخر ہم کو امریکہ کے صدارتی انتخاب سے۔ جرمنی میں یہودیوں پر مظالم سے۔ اور ننگا پربت پر جرمنوں کی مہم سے۔ کیا دلچسپی ہے۔ اور ہم اِن خبروں کی رفتارِ ترقی کا اِس قدر شدّت سے کیوں انتظار کرتے ہیں۔ صِرف اِس لئے کہ ہم کو اِن باتوں کا علم رہے۔ اور خواہ اُن کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں لیکن وہ عام واقفیّت کا حصّہ ہیں۔ اور عام واقفیّت ہماری دماغی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ بلکہ اگر ہمارے پاس وقت ہوتا۔ اور انسان کی عمرِ طبعی زیادہ ہوتی۔ تو وہ ہر سچّائی کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ اُس کی پیدائش کا مقصد ہی تلاشِ حق ہے۔

پس کسی سچّائی کا انکار کرنا قرینِ دانشمندی نہیں۔ جو فرشتوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ وہ ہم سے اُس کا ثبوت مانگ سکتے ہیں۔ اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہونگے۔ لیکن باوجود ثبوت کے اُن کے وجود کا سِرے سے ہی انکار کر دینا عقلمندی نہیں۔ یہ تو اِسی طرح ہے۔ کہ سورج چڑھا ہُوا ہو۔ اور کوئی کہدے۔ کہ مَیں یہ کیوں مانوں؟ ظاہر ہے۔ کہ کوئی عقلمند ایسا نہیں کہہ سکتا۔

یہ الگ بات ہے۔ کہ کوئی پوچھے۔ کہ فرشتے موجود ہیں یا نہیں؟ لیکن ایک دفعہ جب یہ بات ثابت ہو جائے۔ تو پھر اس بناء پر اُس کا انکار کر دینا۔ کہ فرشتوں کا ہمارے ساتھ کیا تعلق ہے۔ قرینِ دانشمندی نہیں۔

اگر کوئی ثبوت مانگنا چاہے۔ تو مَیں اُسے ہر وقت بتانے کے لئے تیار ہوں۔ کہ فرشتے مفروضہ ہستیاں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ہمارے ہر روز کے کاموں میں اور ہماری باتوں میں اور ہماری قسمت کے بنانے میں گرانقدر حصہ لیتے ہیں ؂

چھٹا اعتراض

چھٹا اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ مذہب پاکیزگی کا معیار گرا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے نیک کام کرو۔ تمھیں جنّت ملیگی۔ بُرے کاموں سے بچو ورنہ تمھیں دوزخ میں ڈالا جائیگا۔ گویا جنّت کی تحریص اور دوزخ کی تخویف دلا کر نیک کام کرائے جاتے اور بُرے کاموں سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا۔ کہ نیکی کو نیکی کے لئے کرو۔ اور بدی سے اس لئے بچو کہ وہ بدی ہے۔ اس طرح مذہب نیکی کے معیار کو گراتا۔ اور جنّت کا لالچ دلا کر یا دوزخ کی آگ سے ڈرا کر دُنیا میں نیکی قائم کرنا چاہتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ سوال بھی نفس کے دھوکا سے پیدا ہُوا ہے۔ حقیقت حال پر غور نہیں کیا گیا۔ اگر یہ اصل صحیح ہے۔ کہ نیکی کو نیکی کے لئے کرنا چاہیئے۔ تو جو لوگ یہ سوال کرتے ہیں۔ ہم اُن سے پُوچھتے ہیں۔ کہ وہ تعلیم کیوں حاصل کرتے ہیں۔ کیا تعلیم کو علم کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ یا اُن کے ذہنوں میں یہ موجود ہوتا ہے۔ کہ ہم تعلیم نوکریوں کیلئے حاصل کرتے ہیں۔ اگر اُن کے ذہن میں یہ موجود نہیں ہوتا۔ کہ وہ تعلیم کے نتیجہ میں نوکریاں حاصل کرینگے۔ اور اعلیٰ عہدوں پر ملازم ہو جائینگے۔ تو وہ کیوں میڈیکل کالج۔ انجینئیرینگ کالج اور کمرشیل کالج میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ کہنے کو تو کہتے ہیں۔ کہ علم کو علم کیلئے پڑھنا چاہیئے۔ مگر کیا وہ واقعہ میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیا وہ علم کو علم کیلئے پڑھتے ہیں یا صورت معاش پیدا کرنے کیلئے پڑھتے ہیں۔ اس امر کو بھی جانے دو۔ ماہرین کی کتابوں میں صاف طور پر لکھا ہُوا ہے۔ کہ وہ طالب علم جو کوئی مقصد اپنے سامنے رکھ کر نہیں پڑھتا۔ اپنی عمر کو ضائع کرتا ہے۔ اسی طرح لوگ نوکریاں کرتے ہیں۔ مگر روپیہ کی خاطر۔ یہ نہیں کہتے کہ ہم کام کو کام کی خاطر کرتے ہیں۔ اسی طرح شادی کرتے ہیں۔ مگر شادی کو شادی کیلئے کوئی نہیں کرتا۔ بلکہ

؂ یہاں تک اُردو میں اصل مضمون نہیں ملا۔ لہٰذا انگریزی ترجمہ شدہ سے ترجمہ کیا گیا + (ایڈیٹر)

اس لئے کرتا ہے۔ کہ اس سے ذاتی یا نسلی فوائد حاصل ہوں۔ پس اگر اصل یہی ہے۔ کہ نیک کام کو اس لئے کرنا چاہیئے کہ وہ نیکی ہے۔ تو یہ ہر جگہ چسپاں کرنا چاہیئے۔ یہ تو نہیں کہ مذہب پر چسپاں کر دیا۔ اور اپنے فوائد کا سوال آیا تو اسے نظر انداز کر دیا۔ میں نے شادی کی ہی مثال دی تھی۔ اگر شادی اس لئے کرنی چاہیئے۔ کہ آخر انسان کو شادی کرنی پڑتی ہے۔ تو چاہے کیسی لڑکی ہو۔ کالی۔ لولی یا لنگڑی ہو اس سے شادی کر لینی چاہیئے۔ مگر لوگ ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے فوائد پر نگاہ رکھتے ہیں۔ پس ہم سب کاموں میں یہ دیکھتے ہیں۔ کہ لوگوں کی انکی تہ میں کوئی نہ کوئی اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں۔ کہیں اچھی اغراض ہوتی ہیں اور کہیں بد اغراض ہوتی ہیں۔ مگر کہنے کو تو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ نیکی کو نیکی کیلئے کرنا چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ انسان کا روٹی کھانا یا اعلیٰ ملازمت حاصل کرنا بُرا ہے۔ اسی طرح میں یہ بھی نہیں کہتا۔ کہ اگر کوئی شخص نیک خوش شکل اور اچھے چال چلن والی عورت کو اپنے بیاہ میں لے آئے۔ تو وہ بُرا کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کام تو اپنے فائدہ کیلئے کرتا ہے۔ مگر زبان سے یہ کہتا پھرتا ہے۔ کہ کام کو کام کی خاطر کرنا چاہیئے۔ نیکی کو نیکی کیلئے اختیار کرنا اور بدی سے بدی کے لئے محفوظ رہنا چاہیئے تو یہ بُری بات ہے۔ ابھی گذشتہ دنوں زلزلہ بہار آیا تو لارڈ میئر نے چندے کا اعلان کیا۔ اس میں انہوں نے یہی کہا۔ کہ ہم چندہ اس لئے دیتے ہیں تا لوگ ہماری appreciation یعنی قدر دانی اور تعریف کریں۔ اب چندہ دینا بہرحال نیک کام تھا اور وہ چندہ دینے کی غرض وغایت چاہے بیان کرتے یا نہ کرتے۔ بہرحال اس سے ہمارے ملک کے غریبوں کو کپڑا اور مکان وغیرہ ملنا تھا مگر انہوں نے یہ کہہ بھی دیا۔ کہ ان کے چندہ دینے کا مقصد یہ ہے۔ کہ لوگ انہیں اچھا سمجھیں۔ پس ہر شخص جب دنیا میں کسی نہ کسی مقصد کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کام کرتا ہے۔ تو اگر اسلام نے بھی ایک مقصد انسان کے سامنے رکھ دیا۔ تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے:۔ کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ نیکی کو نیکی کیلئے کرنا چاہیئے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں۔ کہ نیکی کی تعریف کیا ہے۔ وہ اس کا جواب یہ دیا کرتے ہیں۔ کہ نیکی اس کام کو کہا جاتا ہے۔ جو اچھا ہو۔ ہم اُن سے یہ کہتے ہیں۔ کہ تم نے مذہب پر تو یہ اعتراض کر دیا تھا۔ کہ وہ بغیر دلیل کے باتیں منواتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا یہی اعتراض تمھاری اس تعریف پر صادق نہیں آتا۔ تم کہتے ہو رحم کرنا نیکی ہے اور جب پوچھا جاتا ہے۔ کہ یہ کیوں نیکی ہے۔ تو کہتے ہو۔ اس لئے کہ یہ اچھا کام ہے۔ حالانکہ سوال یہی ہے کہ یہ کیوں اچھا ہے۔ اس کی دلیل دو۔ یا بے جا غضب کیوں بُرا ہے۔ اس کا ثبوت پیش کرو۔ جب اس طرح انہیں پوچھا جاتا ہے۔ تو وہ پھر کہتے ہیں۔ نیکی وہ چیز ہے جس میں لوگوں کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ مطلب یہ کہ جس چیز کے کرنے سے انسان کو سب سے زیادہ نفع پہنچے وہ نیکی ہوتی ہے۔ مگر

آخر یہ بھی تو خود غرضی ہے۔ یہ نیکی کس طرح نیکی کی خاطر ہوگئی۔ جبکہ اس کے پیچھے بھی خود غرضی اور جلب منفعت کا ارادہ پوشیدہ ہے ؂

تیسرا جواب جو حقیقی جواب ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مذہب یہ نہیں کہتا۔ فلاں نیکی کا کام کرو۔ تمھیں اس کے بدلہ میں یہ انعام ملیگا۔ فلاں بدی سے بچو۔ ورنہ تمھیں سزا ملے گی۔ یہ مذہب پر اتہام ہے۔ میرا مذہب جو کچھ کہتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ فلاں کام کرو۔ اس لئے کہ اس کا نتیجہ تمھارے حق میں بہتر نکلیگا۔ اور فلاں فلاں کام نہ کرو۔ اس لئے کہ اس کا یہ بُرا نتیجہ ہے۔ جو تمھیں بھگتنا پڑیگا۔ ان نتائج کے علم کے ماتحت نیکی کے کام سرانجام دینا یا بدی کے کاموں سے بچنا خود غرضی کس طرح کہلا سکتی ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ لاہور سے کسی کو جالندھر جانا ہو۔ تو اسے راستہ بتا دیا جائے۔ مگر وہ آگے سے یہ کہدے کہ چونکہ مجھے بتا دیا گیا ہے۔ اور اگر میں اسپر چلا۔ تو ضرور اپنے منزل مقصود پر پہنچ جاؤنگا۔ اس لئے میں نہیں جاتا۔ کیونکہ یہ خود غرضی سمجھی جائیگی۔ بھلا نتیجہ بتا دینے سے خود غرضی کس طرح ہو جاتی ہے۔ یہ تو بتانیوالے کا احسان ہوتا ہے۔ کہ وہ ہمارے سامنے ایک صحیح طریق عمل پیش کر دیتا ہے اور کہدیتا ہے۔ کہ اگر اس راستہ پر چلے۔ تو منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔ اور اگر نہ چلے۔ تو بھٹک جاؤ گے۔ یہی حال مذہب کا ہے۔ مذہب بھی ہمارے سامنے اعمال کے نتائج رکھدیتا ہے۔ وہ بھی یہی کہتا ہے۔ کہ فلاں قسم کے اعمال ایسے ہیں۔ جن کا نتیجہ تمھارے حق میں اچھا ہوگا۔ اور فلاں قسم کے اعمال ایسے ہیں۔ جن کا نتیجہ تمھارے حق میں بُرا ہو گا۔ اچھے نتائج والے اعمال کو اگر کوئی شخص اختیار کرتا ہے تو یہ اس کی نیکی کہلاتی ہے۔ اور اگر بُرے نتائج والے اعمال کو کوئی شخص اختیار کرتا ہے تو وہ بد کہلاتا ہے۔ مذہب نتیجہ بتانے کے لحاظ سے جو راہنمائی کرتا ہے۔ وہ ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی کو کہدے۔ کہ اگر تم سُرخ مرچ زیادہ کھاؤ گے۔ تو تمھیں فلاں مرض ہو جائیگا۔ یا فلاں دوا استعمال کرو گے۔ تو اچھے ہو جاؤ گے۔ کونسا آدمی ہے جو اس قسم کے مشوروں پر عمل کرنا خود غرضی قرار دے سکے۔ دُنیا ہمیشہ ایسی باتوں کو سُنتی ان پر عمل کرتی۔ اور بجائے اس کا نام خود غرضی یا لالچ رکھنے کے ایجوکیشن اور ٹریننگ رکھتی ہے۔ لیکن اگر مذہب یہ کہدے کہ فلاں کام کرنے سے تمھیں فلاں روحانی بیماری لاحق ہو جائیگی۔ اور پھر انسان اس سے بچے تو یہ لوگوں کے نزدیک خود غرضی ہو جاتی ہے۔ یا مثلاً گورنمنٹ اعلان کرتی ہے۔ کہ ہیضہ پھیلا ہوا ہے۔ فلاں فلاں چیزیں نہ کھاؤ یا میونسپٹل کمیٹیاں کہدیتی ہیں۔ کہ امرود نہ کھاؤ۔ تو کیا اُس دن لوگ ضرور امرود کھائیںگے۔ اور کیا یہ وہ کہنے کیلئے تیار ہونگے۔ کہ جب تک ہیضہ ہیضہ کی خاطر

نہیں آتا۔ بلکہ امرود کی خاطر آتا ہے۔ اُسوقت تک امرود کھانا چھوڑا نہیں جا سکتا۔ یا طاعون کے دنوں میں جب ٹیکا لگایا جاتا ہے۔ تو کیا کہا جاتا ہے۔ کہ لوگ بڑے لالچی ہیں۔ وہ طاعون سے بچنے کے لئے اس کا ٹیکہ کرا رہے ہیں۔ پس یہ سوال اتنا غیر معقول ہے۔ کہ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ لوگ کس طرح اسے پیش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ ہر سچے مذہب کا کام ہے۔ کہ وہ بتائے۔ یہ زہر ہے۔ اِسے کھاؤ گے۔ تو مر جاؤ گے۔ یہ تریاق ہے۔ اِسے استعمال کرو گے۔ تو بچ جاؤ گے۔ یہ لالچ نہیں۔ تحریص نہیں۔ تخویف نہیں۔ بلکہ ہمدردی ہے۔ جیسے ہر ماں باپ کو اپنے بچوں کے متعلق ہوتی ہے۔ اور وہ انہیں بتاتے رہتے ہیں۔ کہ فلاں کام کے اچھے نتائج ہیں۔ اور فلاں کے بُرے نتائج۔

ہمارے مذہب نے خود اس مسئلہ کو بیان کیا ہُوا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ ویطعمون الطّعام علیٰ حبّہٖ مسکینا و یتیما و اسیرا۔ یعنی مومن مساکین و یتامیٰ اور قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے والوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مگر علیٰ حبّہٖ کھانا کھلانے کی محبت اس کا باعث ہوتی ہے۔ یہ مقصد نہیں ہوتا۔ کہ انہیں بدلہ ملے۔ کہنے کو ہر مذہب یہی کہیگا۔ کہ دوسروں پر اس لئے احسان نہ کرو۔ کہ تمہیں کوئی بدلہ ملے۔ مگر قرآن مجید نے واضح الفاظ میں یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ مومن جب یتامیٰ و مساکین وغیرہ کو کھانا کھلاتے ہیں۔ تو یہ احسان ان پر کسی لالچ یا طمع کیلئے نہیں کرتے۔ بلکہ اس لئے کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ نے انہیں کھلانے پلانے کی توفیق بخشی ہے۔

ساتواں اعتراض

ساتواں اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ انسان اپنے اعمال میں گرد و پیش کے حالات سے متأثر ہوتا ہے۔ کہیں ورثہ کے اثرات کے نتیجہ میں کہیں صحبت کے نتیجہ میں کہیں اپنے ماحول کی تعلیم کے نتیجہ میں۔ اور جب اسقدر حالات اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تو مذہب کا کیا فائدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ تمام علوم جو انسان سیکھتا یا سُنتا ہے۔ ذہن کے ایک حصہ میں بھرتے چلے جاتے ہیں۔ جب وقت آتا ہے تو اس حصۂ ذہن سے علوم نکل کر انسان کے واقف ذہن میں آجاتے اور ان سے کام لینا شروع کر دیا جاتا ہے۔ مذہب کا اس سے کیا واسطہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے:۔

کہ اس میں شبہ نہیں۔ ہر عمل انسان پر اپنا کچھ نہ کچھ اثر ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ اگر اچھا عمل ہو تو اچھا اثر اور اگر بُرا ہو تو بُرا اثر چھوڑ جاتا ہے۔ اسی طرح ورثہ بھی اپنا اثر چھوڑ جاتا ہے۔ تربیت بھی اپنا اثر

چھوڑ جاتی ہے۔ اور اس قسم کے واقعات موجود ہیں۔ کہ باپ کو سل ہوئی۔ اور بچوں میں بھی اس مرض کا میلان پایا گیا۔ یا بعض ماں باپ جھوٹ بولنے والے ہوتے ہیں۔ اُن کے بچوں میں بھی جھوٹ کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی حال چوری ڈاکہ اور دوسرے جرائم کا ہے۔ اگر والدین اس قسم کے افعال کرنیوالے ہوں تو بچے ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بلکہ بعض جگہ تو یہاں تک تجربہ کیا گیا ہے۔ کہ بچے والدین سے الگ رکھے گئے۔ مگر پھر بھی اُنہوں نے وہ عادتیں سیکھ لیں جو اُن کے ماں باپ میں پائی جاتی تھیں۔ پس اس امر سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ چیز مذہب کے رستہ میں روک نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ورثہ تربیت تعلیم اور پچھلے اعمال سب کا اثر ضروری تھا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو انسان ترقی بھی نہ کر سکتے۔ اگر ورثہ کا اثر نہ ہوتا تو اچھے پہلوان دُنیا میں کیونکر پیدا ہو سکتے۔ اچھے گھوڑے یا اچھے بیل کیونکر بنائے جا سکتے۔ ان کی عمدگی اسی وجہ سے ہوتی ہے۔ کہ بعض گھوڑے یا بعض بیل اچھی نسل میں سے ہوتے ہیں۔ اور جب اُن کی حفاظت کی جاتی ہے۔ تو ان کی وجہ سے بہترین گھوڑے اور بہترین بیل دُنیا کو میسّر آجاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاق و عادات کا بھی اثر ہوتا ہے۔ اور ورثہ کا اثر بھی مسلّم امر ہے۔ پھر بہت سے اعمال میں عادت کا دخل ہوتا ہے۔ اگر عادت نہ ہو تو ایک کام جو گھنٹہ میں ہونا ہوتا ہے کئی گھنٹوں میں جا کر ختم ہوتا ہے۔ مجھے ٹائپ کرنا نہیں آتا۔ مگر ایک دفعہ مَیں نے خیال کیا۔ کہ یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ بی کو بی مار دیا۔ اور اے کو اے مار دیا۔ اس خیال کے ماتحت مَیں نے اپنا ایک خط ٹائپ کرنا شروع کیا جو دس بارہ سطر کا تھا۔ مگر اس پر ساڑھے تین گھنٹے لگ گئے۔ تو اگر عادت اور مشق کا اثر نہ ہوتا۔ اگر ہمارا ہر عمل ہم پر اثر چھوڑ نہ جاتا۔ تو یہ کام کیونکر ہو سکتے۔ ایک شخص گھوڑے پر چڑھتا ہے۔ مگر گر پڑتا ہے۔ پھر وہی شخص مشق کے نتیجہ میں بے تحاشا گھوڑا دوڑائے چلا جاتا ہے اور نہیں گرتا۔ اگر مشق کا اثر نہ ہوتا۔ تو ساری عمر لوگ گھوڑوں کی سواری کرتے۔ مگر گرتے رہتے یا ساری عمر سی۔ اے۔ ٹی کیٹ ہی یاد کرتے رہتے۔ اور اُنہیں یاد نہ ہوتا۔ غرض یہ سب چیزیں انسانی فائدہ کیلئے ہیں۔ مگر یہ کہنا کہ یہ چیزیں انسان کو شریعت سے بے پروا کر دیتی ہیں۔ بیہودہ بات ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان تمام حالات کے باوجود جو ہمیں دنیا میں نظر آتے ہیں۔ اور جن کے ماتحت ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ورثہ کا بھی اثر ہوتا ہے اور تعلیم و تربیت کا بھی اس قسم کی سینکڑوں مثالیں نظر آتی ہیں کہ عیب کو دُور کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ دور ہو گیا۔ چنانچہ کئی والدین کو سل ہوتی ہے۔ مگر اُن کے بچوں کو جب اعلیٰ غذائیں دی جاتی ہیں تو ان میں وہ اثر منتقل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کوڑھیوں کے بچے جبکہ انکی احتیاط کی گئی بالکل تندرست پائے گئے ہیں تو اگر جسمانی علاج کرکے ہم ورثہ کے بد اثرات سے بچ سکتے ہیں

تو روحانی علاج سے ہم روحانی بداثرات سے کیوں محفوظ نہیں ہو سکتے۔ یہ دونو سلسلے یکساں ملتے ہیں روحانی بھی اور جسمانی بھی اور جس طرح سکاٹس ایملشن یا دوسری دوائیں جسمانی امراض کو دُور کر دیتی ہیں۔ اسی طرح مذہب انسان کے روحانی امراض کو دُور کر دیتا ہے۔ دوسری بات ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے گندے آدمیوں کی اولاد بسا اوقات اچھی ہو جاتی ہے۔ یا سخت مخالفوں کی فوراً اصلاح ہو جاتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں پولوس ان کا سخت مخالف تھا۔ مگر پھر آپؑ کو ماننے لگ گیا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوجہل سخت مخالف تھا۔ مگر اس کا بیٹا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہو گیا۔ اور اسقدر اس کے رگ و ریشہ میں اسلام کی محبت سرائت کر گئی کہ ایک جنگ کے موقعہ پر جبکہ وہ اور بعض اور مسلمان شدت پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ اس کے پاس پانی لایا گیا۔ مگر اس نے یہ کہکر پینے سے انکار کر دیا۔ کہ پہلے دوسرے مسلمانوں کی پیاس بجھائی جائے۔ اور جب اُن کے پاس پانی پہنچایا گیا۔ تو اُس نے دم توڑ دیا۔ یہ دونو واضح مثالیں ہیں۔ اور عملاً بھی دنیا میں دیکھا جا رہا ہے۔ کہ بڑے بڑے بُروں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ پس نہیں کہا جا سکتا۔ کہ مذہب انسانی اعمال پر کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا۔

یہ تو ورثہ اور تربیت کے متعلق مثالیں تھیں۔ انسان کے اپنے اعمال کا بھی ایک طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں اس میں بھی کوئی نہ کوئی انسانی اصلاح کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص ستر ستر اسی اسی برس کی عمر تک بداعمالیاں کرتا رہتا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں اتنا لمبا عرصہ بداعمال رہنے کے باوجود بعض دفعہ ایسے انسانوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ علاوہ اس کے جو مجبوریاں انسان کی اپنی پیدا کردہ ہوتی ہیں وہ مجبوریاں نہیں کہلاتیں بلکہ پہلے اعمال کا طبعی تقاضا ہوتی ہیں۔ اور وہ مذہب کے راستہ میں روک نہیں ہو سکتیں۔ مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ غلط ہے کہ انسان اپنے ماحول کے اثر یا ورثہ اور تعلیم و تربیت کے اثر کے نیچے ہی رہتا ہے۔ اور اس کی اصلاح نہیں ہوتی۔ کیسا ہی گندے سے گندا انسان ہو اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور مذہب کا کام اصلاح کرنا ہی ہے۔ بعض لوگوں نے اس سوال کو مذہبی رنگ دیدیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کے علم میں یہ ہوتا ہے کہ فلاں انسان مثلاً چوری کریگا۔ تو انسان مجبور ہے۔ کہ وہ چوری کرے۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کے علم کے خلاف ہو۔ پس اگر وہ چوری کرتا ہے۔ تو وہ مجبور ہو کر کرتا ہے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ وہ چوری کریگا۔ اور خدا تعالیٰ کے علم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

اور اگر خدا تعالیٰ کو علم نہیں۔ تو وہ لوگوں کی راہنمائی نہیں کر سکتا ؛

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے علم میں تو یقیناً سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن اس کا علیم ہونا جبر ثابت نہیں کر سکتا۔ درحقیقت یہ تمام دھوکا اس امر کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ صفات ہیں جو مخلوق کے تابع ہیں۔ اور ایک وہ ہیں کہ مخلوق ان صفات کی تابع ہے۔ علم الٰہی بھی ایک ایسی صفت ہے جو مخلوق کے تابع ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ دُنیا میں جو کچھ واقع ہو اس کے مطابق خدا تعالیٰ کا علم ہو اور یہ نقص نہیں۔ بلکہ خوبی اور کمال ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب مثلاً زید نے چوری کی۔ تو زید نے اس لئے چوری نہیں کی۔ کہ خدا کے علم میں اس کا چوری کرنا تھا۔ بلکہ خدا کو اس لئے علم تھا۔ کہ زید نے کسی وقت چوری کرنی تھی۔ اگر لوگ اس امر کو سمجھ جاتے۔ کہ یہ صفت تابع ہے مخلوقات کی۔ تو وہ کبھی دھوکا نہ کھاتے۔ فرض کرو۔ دُنیا کا کوئی خدا نہ ہوتا تو کیا اُسوقت چور چوری کرتا یا نہ۔ اسی طرح صدقہ کرنے والا صدقہ کرتا یا نہ کرتا۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ چور ضرور چوری کرتا۔ اور صدقہ دینے والا ضرور صدقہ دیتا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ چور بعض لوگوں سے یہ نہ سُنتا۔ کہ چوری بُری ہے۔ اور بعض لوگوں سے یہ سُنتا کہ چوری اچھی ہے۔ ضرور ہے۔ کہ اختلاف خیالات کے ماتحت اس کے سامنے دو قسم کے امور پیش ہوں۔ اور وہ ایک کشمکش میں مبتلا ہو جائے۔ کبھی کہے کہ میں چوری کرتا ہوں۔ اور کبھی کہے کہ نہیں کرتا۔ یہ جھگڑا کبھی ختم ہوتا یا نہیں۔ دو ہی باتیں تھیں۔ یا تو وہ چوری کر لیتا۔ یا نہ کرتا۔ ان دو چیزوں میں سے ایک اس کو بہر حال اختیار کرنا تھا۔ خواہ چوری کرنیوالے پہلو کو اختیار کرتا یا چوری نہ کرنیوالے پہلو کو۔ یا ہمیشہ تردد میں مبتلا رہتا۔ اور اپنے لئے کوئی فیصلہ نہ کر سکتا۔ ایسی صورت اور حالت میں اگر یکدم خدا کا وجود سامنے آجائے۔ اور وہ بتا دے۔ کہ یہ شخص آخر فلاں پہلو اختیار کریگا۔ تو کیا خدا تعالیٰ کا یہ علم جبر کہلا سکتا ہے؟ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ علم الٰہی جبر نہیں۔ کیونکہ یہ علم تابع ہے مخلوق کے۔ اور جس قسم کا کسی شخص نے فعل کرنا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے علم میں پہلے سے وہ موجود ہوتا ہے۔ اگر اس لئے نہیں۔ کہ وہ اسے مجبور کرتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ چونکہ اُس نے ایک فعل بہر حال کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ کہ وہ ایسا کریگا۔ یا فرض کرو۔ ایک، دو، تین، چار نمبر ہوں۔ انسانی فعل کا نمبر پہلے ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے علم کا نمبر بعد میں۔ اگر انسانی فعل پہلے نمبر پر ہو۔ تو خدا تعالیٰ کا علم دوسرے نمبر پر ہوتا ہے۔ اور اگر انسان کا فعل تیسرے نمبر پر آجائے۔ تو خدا تعالیٰ کا علم چوتھے نمبر پر آجاتا ہے۔ یعنی انسان نے ایک کام کرنا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو اس کام کا علم بھی ہوتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کا علم بندے کے فعل کے

تابع ہے۔ اور اس کا علم اس لئے ہوتا ہے کہ بندے کو بہر حال وہ کام کرنا ہوتا ہے نہ بندہ اس لئے کام کرتا ہے۔ کہ خدا کا علم اسے مجبور کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا علم بہر صورت اس کے تابع ہے جو انسان نے اپنے لئے فائنل فیصلہ کرنا ہے ؏

مذہب کے متعلّق چند اصُولی باتیں

اَبْ مَیں مذہب کے متعلق چند اصُولی باتیں بتاتا ہوں :۔

اوّل مذہب دل کی صفائی کرتا ہے۔ دُنیا کا قانون دل کی صفائی نہیں کر سکتا۔ اوّل تو مَیں یہ کہتا ہوں۔ کہ قانون کا وجُود ہی بتاتا ہے کہ انسان کو مذہب کی ضرورت ہے۔ اگر قانون کا وجود ضروری نہیں۔ اور نیکی کو اس لئے کرنا چاہیئے کہ وہ نیکی ہے۔ اور بدی سے اس لئے بچنا چاہیئے کہ وہ بدی ہے۔ تو دُنیا میں قانون کیوں بنائے جاتے ہیں۔ اور کیوں لیجسلیٹو کونسلیں۔ اسمبلی۔ اور پارلیمنٹ نئے نئے قوانین وضع کرتی ہیں۔ اگر نیکی کو نیکی کے لئے ہی کرنا چاہیئے۔ اور بدی سے اس لئے بچنا چاہیئے کہ وہ بدی ہے۔ تو کسی قانون کی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر تمہارے قانونوں اور جبر سے کچھ نہیں بگڑتا تو خدا کے قانون بنانے سے کیا بگڑ جاتا ہے۔ پس دُنیا میں قانون کا وجود بتاتا ہے۔ کہ انسان کی فطرت خاص قوانین کی محتاج ہے۔ چاہے اسے منظّم پارلیمنٹوں کے ذریعہ بنایا جائے۔ چاہے سرحدی قبائل اسے اپنے جرگوں کے ذریعہ بنائیں۔ ہر ایک شخص ان قانونوں کا ایسے ہی پابند ہوتا ہے۔ جیسے ایک جرمن اپنے ملک کے قانون کا۔ یا ایک امریکن اپنے ملک کے قانون کا۔

پس انسانی فطرت نے قانون کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔ اور دُنیا کا طریق عمل بھی یہی بتاتا ہے کہ کوئی ملک بغیر قانون کے چل نہیں سکتا۔ اور نہ کوئی حکومت قانون کو نظر انداز کئے قائم رہ سکتی ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مذہب انسانی دل پر حکومت کرتا ہے۔ اور وہ بتاتا ہے۔ کہ خدا نے یہ بات انسان کے فائدہ کیلئے رکھّی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ مذہبی قوانین کی نہایت شوق سے پابندی کرتے ہیں۔ مگر ظاہری قانون کی دفعات میں روزانہ بیسیوں قسم کے رخنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بلکہ خود قانون بنانے والے قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا ہوگا کہ خدا کا قانون لانیوالے نے بھی اس کی خلاف ورزی کی۔ کبھی آپ لوگوں نے نہیں سُنا ہوگا کہ (حضرات) موسیٰؑ عیسیٰؑ اور (حضرت) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں قانون تو لائے۔ مگر اُسے خود توڑ ڈالا ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس امر پر شاہد ہے۔ کہ انہوں نے اپنی زندگیاں اُس قانون کے مطابق بسر کیں۔

لیکن دُنیاوی قانون بنانے والے خود قانون کی خلاف ورزی کر اُٹھتے ہیں۔ بعض دفعہ اس خیال کے ماتحت کہ کنسٹبل کہاں کھڑا ہوگا۔ اپنی موٹر بغیر لیمپ جلائے چلے جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ پکڑے بھی جاتے ہیں۔ لیکن شرعی قانون کی۔ قانون لانیوالوں نے کبھی خلاف ورزی کی؟ پس شریعت کی حکومت تمام دوسرے قوانین پر بلکہ انسانی قلوب پر ہے۔ ظاہری قانونوں کا انسانی دل پر کوئی اثر نہیں۔ وہ صرف ظاہری افعال پر حکم لگا سکتے ہیں نہ کہ انسانی ارادوں اور نیتّوں پر۔ اسی بنا پر قانوندان عدالت میں روزانہ بحث کرتے ہیں۔ کہ مثلاً فلاں شخص نے قتل کا ارادہ تو کیا یا چوری کا ارادہ تو کیا۔ مگر اس کا قتل یا چوری کرنا ثابت نہیں۔ لیکن اس کے بالمقابل شریعت یہ کہتی ہے۔ کہ جب کسی نے کسی فعل کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور اس کے لئے طریق سوچنے اس نے شروع کر دئے تو وہ فعل اس سے سرزد ہو گیا۔ چاہے ظاہر میں وہ فعل واقع ہو یا نہ ہو۔ اور شریعت ایسے انسان کو یہ کہتی ہے۔ کہ وہ توبہ کرے۔ کیونکہ اس نے اپنی رُوح کو بیمار کر لیا۔ ظاہری قانونوں نے بھلا دل پر کیا اثر کرنا ہے۔ اور جب ظاہری قانون شرعی قانون کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تو وہ شریعت کا قائم مقام کیونکر ہو سکتا ہے۔ واقعہ یہی ہے۔ کہ اگر دُنیا میں مذہب نہ ہوتا تو آج نیکی بالکل مفقود ہو جاتی ٭

۲۔ مذہب کا دوسرا فائدہ —

مذہب کا دوسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ یہ دُنیا میں عالمگیر اخوّت پیدا کرتا ہے۔ کوئی انسانی قانون ایسا نہیں جو انسانی دائروں کو توڑ سکتا ہو۔ انگلستان والا کبھی جرمن والوں کے قانون کو نہیں مان سکتا۔ اور جرمنی انگلستان والوں کے قانون کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن کسی بندے پر یہ ثابت کر دو۔ کہ فلاں قانون خدا کا تجویز کردہ ہے وہ فوراً اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائیگا۔ خواہ وہ کسی حصّۂ دُنیا کا رہنے والا ہو۔ گورا ہو یا کالا۔ ہندوستانی ہو یا یوروپین خدا کے قانون کو دنیا کے تمام انسان تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ اُن پر ثابت کر دیا جائے۔ کہ فلاں امر خدا تعالےٰ کا بیان کردہ ہے۔ کسی انسان کی دماغی اختراع نہیں۔ اسوقت دنیا میں دو عظیم الشان مذہب ہیں۔ ایک اسلام۔ اور دوسرا عیسائیت۔ ان دونو مذاہب کے ذریعہ دُنیا میں اسقدر اتحادِ مذہبی پیدا ہُوا ہے۔ کہ کسی اور چیز کے ذریعہ اسقدر نہیں ہُوا۔ ہمیں بُرا لگے یا اچھا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اسوقت انگریزوں میں طاقت ہے۔ اور وہ ہم پر حکومت کر رہے ہیں۔ ہم میں مذاہب کا اختلاف ہے اور مذاہب کئی فرقوں میں منقسم ہیں۔ اور اسوجہ سے آپسمیں لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود انگریزوں کے مقابلہ میں ہم میں کس قدر اتحاد پایا جاتا ہے۔ یا اسی طرح ہم

احمدیوں کو یُوں تو بدنام کیا جاتا ہے۔ مگر جب بھی مسلمانوں کے مفاد کے متعلق کوئی سوال ہو۔ ہم اس میں شریک ہو جاتے ہیں۔ لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں۔ کہ یہ بیچ میں آکُودتے ہیں۔ مگر ہمیں اِن باتوں کی کچھ بھی پروا نہیں۔

مسلمانوں کے متعلق جب بھی کوئی سوال ہو۔ ہم اس میں حصّہ لیتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کا فائدہ ہو۔ یہ کیا چیز ہے۔ یہ اسلام کا نام ہے۔ جو اختلافِ عقائد کے باوجود ایک وقت آپس میں متحد کر دیتا ہے۔ پس مذاہب اس غلط نیشنلزم کو مٹا دیتے ہیں۔ جو دُنیا کی تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ آج اگر دُنیا میں فسادات ہوتے ہیں۔ تو محض اس لئے کہ ایک کہتا ہے۔ مَیں جرمن ہوں۔ اور دوسرا کہتا ہے۔ مَیں انگریز ہوں۔ اگر ان کا نظریہ یہ ہوتا کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور اس نسبت کی وجہ سے ہمیں آپس میں اتحاد رکھنا چاہیئے تو جرمن۔ انگریز۔ ہندوستانی۔ کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ نہ بنگال کے انارکسٹ بم پھینکتے۔ اور نہ انگریزوں کو ان کے لئے قوانین بنانے پڑتے۔ یہ حبّ وطنی کا غلط جذبہ ہے۔ جس کے نتیجہ میں آپس میں سر پھٹول ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے۔ اس بات کا کہ لوگوں نے کہدیا۔ ہمیں خدا کی ضرورت نہیں ہم اپنے لئے آپ قانون بنا لینگے۔ جب لوگوں نے یہ کہا۔ تو خدا تعالیٰ کی رحمت درمیان سے ہٹ گئی۔ اور لوگوں نے اپنے قوانین کے ذریعہ ایک دوسرے کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ ورنہ خدا کو اس سے کیا غرض ہے۔ کہ فلاں ہندوستانی ہے۔ اور فلاں جرمنی۔ اُس کا تو جس طرح ایک ہندوستانی بندہ ہے اسی طرح جرمنی اور انگریز بھی ہے۔ یہی روح ہے۔ جو مذہب پیدا کرتا ہے۔ اور یہی چیز ہے۔ جس سے دُنیا میں حقیقی طور پر امن قائم ہو سکتا ہے۔

۳۔ مذہب واحد ذریعہ ہر فرد کو مکمّل بنانے کا۔

تیسری بات یہ ہے۔ کہ مذہب ہی ایک ایسا ذریعہ ہے۔ جو ہر فرد کو تکمیل تک پُہنچاتا ہے۔ اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں۔ جس کے ماتحت انفرادی طور پر ترقیات حاصل ہو سکیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایّام جنگ میں ہزاروں نہیں لاکھوں سپاہی اپنے ملک کی خدمت کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں۔ پھر کوئی نہیں جو ان کی قدر کرے۔ مگر ایک شخص ان تمام کی قربانیوں کے بدلہ میں فیلڈ مارشل بنا دیا جاتا ہے جن کے گولی لگتی ہے۔ جو میدان جنگ میں اپنی جان دیدیتے ہیں۔ ان کا معاوضہ نہ انہیں ملتا ہے اور نہ ان کی قوم ہی ان کی کوئی قدر کرتی ہے۔ مگر ایک شخص فیلڈ مارشل بن جاتا ہے۔ اسی طرح ہم ایک اور نوجوان کو دیکھتے ہیں۔ وہ اُٹھتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ لوگ تو اپنی ذات کے نفع کے لئے نوکریاں کرتے ہیں۔ مگر مَیں اپنے ملک کے لئے اپنے آپکو وقف کرتا ہوں۔ وہ چند دن کام کرتا ہے۔ کہ ہیضہ کا

کیڑا اس کے پیٹ میں گھس کر اُسے ہلاک کر دیتا ہے۔ لوگ اُسے کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ دُنیاوی ذرائع سے کمیونٹی کمال تک پہنچ سکتی ہے۔ مگر افراد اپنے کمال کو حاصل نہیں کر سکتے۔ انکی مثال ان جھاڑیوں کی سی ہوتی ہے۔ جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر اُگتیں اور تمازتِ آفتاب سے جُھلس کر فنا ہو جاتی ہیں۔ یا اُن کی مثال اُن پھولوں کی سی ہوتی ہے۔ جو جنگلوں میں اُگتے اور بیابانوں کو اپنی بہار دکھا مُرجھا جاتے ہیں۔ مگر مذہب ایک ایسی چیز ہے۔ جو نہ صرف جانوروں بلکہ بے جانوں کیلئے بھی عروج کے سامان مہیّا کرتا اور ہر فرد کو اس کی تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ وہ سبزیاں اور ترکاریاں جو بظاہر نہایت ہی ادنیٰ حالت میں ہوتی ہیں۔ جب انسان انہیں کھا لیتا ہے۔ تو مذہبی نظریّہ کے ماتحت اُنہیں بھی ایک عروج حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہ بھی انسانی رُوح کے ساتھ ملکر خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ دُنیا میں جو کچھ تغیّر ہو رہا ہے محض اس لئے ہے۔ کہ ہر چیز چاہتی ہے۔ کہ وہ خدا تک پہنچے۔ اور یہ دُنیا اُسوقت تک چلتی چلی جائیگی جبتک کہ ہر ذرّہ رُوح کے ساتھ ملکر خدا تعالیٰ کے دربار میں نہ پہنچ جائے۔ جس وقت انسانی رُوح خدا تعالیٰ کے حضور جائیگی۔ تو اُسوقت کہیں کسی سبزی کا ذرّہ لگا ہُوا ہوگا۔ کہیں کسی پھل کا۔ اس طرح دُنیا کی ہر چیز ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اپنے کمال کو پہنچ جائیگی۔ افراد بھی اپنی ترقیات کو کامل طور پر حاصل کرینگے۔ اور نباتات وغیرہ بھی انسانی روح کے ساتھ ملکر بلندی کی طرف قدم بڑھائیں گی۔ یہ چیز ہے جسے مذہب پیش کرتا ہے۔ اس میں اسلام کی تخصیص نہیں کسی مذہب و مِلّت کی تعلیم دیکھ لو۔ ہر مذہب یہی امر پیش کرتا ہے۔ کہ اس میں ہر فرد کی ترقی کے راستہ کو کھولا گیا ہے ؎

۴۔ صرف مذہب ہی نیکی کا حسبِ نیّت پورا بدلہ دلا سکتا ہے

چوتھا امر یہ ہے۔ کہ انسانی دماغ کا بہترین حصّہ اس کے ارادہ اور نیّت کے ساتھ تعلّق رکھتا ہے۔ کسی انسان کا عمل صرف اتنا ہی نہیں۔ کہ مثلاً اس نے کسی فقیر کو ایک پیسہ یا آنہ دیدیا۔ بلکہ اس کا عمل یہ نیّت ہے۔ کہ اگر میرے پاس دس کروڑ روپیہ ہو تو مَیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دیدوں۔ یہ وہ خوبصورت چیز ہے۔ جس کا معاوضہ دُنیا کی کوئی قیمتی سے قیمتی چیز بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر اعمال سے ہی کسی کی اندرونی کیفیّت کا پتہ لگایا جائے تو بہت سے ایسے لوگ ثواب سے محروم رہ جائیں۔ جو گو اپنی ناداری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ خرچ نہیں کر سکتے۔ مگر ان کی خواہش یہ ہوتی ہے۔ کہ کاش ان کے پاس بہت کچھ ہوتا تا وہ اللہ تعالیٰ کی

راہ میں بہت زیادہ دیتے۔ یہی وجہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض لوگوں نے جب اعتراض کیا۔ کہ حضرت ابو بکرؓ کو کیوں بڑا کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اُن کی نمازیں اور روزے زیادہ نہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو بکرؓ کو فضیلت اسوجہ سے نہیں۔ جو وہ اعمال کرتا ہے۔ بلکہ اس کو فضیلت اس وجہ سے ہے۔ جو اس کے دل میں ہے۔ اس کے مقابلہ میں بعض لوگ دیتے زیادہ ہیں۔ مگر ان کی نیت اسقدر دینے کی نہیں ہوتی۔ وہ بظاہر سو روپیہ بھی چندہ دیدینگے مگر دل میں کہیں گے۔ کیا مصیبت پڑ گئی۔ لیکن ہم ایک اور انسان کو دیکھتے ہیں۔ وہ دو پیسے دیتا ہے۔ مگر اس درد سے روتا ہوا دیتا ہے کہ کاش میرے پاس زیادہ روپیہ ہوتا اور اس سے میں اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کر سکتا۔ تو کیا اس کے دو پیسوں کی قیمت اصل ہے یا اصل اس کے دل کی قیمت ہے۔ اگر مذہب نہ ہوتا تو یہ سب سے زیادہ حسین چیز رائیگاں چلی جاتی۔ اور اسی طرح لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتی۔ جس طرح پہاڑ کی وادیوں میں ایک پھول اُگتا۔ مگر رائیگاں چلا جاتا ہے۔ مذہب ہی ہے جو اس جذبہ کی قدر کرتا اور انسانی نیتوں کو عمل قرار دیتے ہوئے۔ نیت کے مطابق جزاء و سزا دیکر انسان کے کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی اجر دینے سے محروم نہیں کرتا۔

سب سے آخری دلیل جو حقیقی دلیل ہے۔ یہ ہے۔ کہ میں نے سب لوگوں کو دیکھا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ لوگوں کا خدا پر ایمان نہیں۔ بعض دفعہ کمیونٹی سے ڈر کر۔ بعض دفعہ دوستوں کے لعن طعن کے خوف سے۔ اور بعض دفعہ کسی اور وجہ سے وہ اس امر کا اقرار کریں یا نہ کریں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے نفس میں یہ کمزوری ہوتی ہے۔ کہ وہ خیال کرتے ہیں دنیا کا کوئی خدا نہیں۔ اور وہ دیانتداری سے اپنے آپکو اس خیال میں حق بجانب سمجھتے ہیں ؂

خُدا تعالےٰ کی ہستی اور ہمارے اعمال میں اُسکے دخل کا حق

پس دو چیزیں قابل غور ہیں۔ اوّل یہ کہ آیا خدا ہے یا نہیں۔ دوسرے اگر خدا ہے۔ تو اُسے ہمارے اعمال میں دخل دینے کا حق ہے یا نہیں۔

میرے نزدیک اس مسئلہ کی بنیاد چند چیزوں پر ہے۔ اوّل یہ کہ ایک زندہ خدا ہے۔ جس نے دُنیا کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ وہ مقصد خدا جیسا ہو جانیکا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی تعلیم دیکھ لو اس میں یہی لکھا ہے۔ کہ آدم کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا لقاء حاصل کرنا۔ انسانی پیدائش کی اصل غرض ہے۔ ہندو مذہب بھی یہی کہتا ہے۔ پس خدا میں ہو جانا اور اس کی محبّت میں مٹ جانا یہ انسانی پیدائش کی اصل غرض ہے

اور تمام مذاہب اس امر پر متفق ہیں کہ خدا جیسا ہو جانا ہی اصل مقام تقویٰ ہے۔ چنانچہ مجھ سے جب کوئی شخص پوچھتا ہے۔ کہ نیکی کیا ہے۔ اور بدی کیا۔ تو میں اسے یہی کہا کرتا ہوں۔ کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے ایک خاص غرض کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور ہمارے سامنے ایک فوٹو رکھ کر ہمیں اس کی تصویر اُتارنے کو کہا گیا ہے۔ جتنا حصہ اس فوٹو کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ نیکی ہے۔ ... ... جتنی شکل اس سے علیحدہ رہتی ہے۔ وہ بدی ہے۔ پس پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ ایک خدا ہے۔ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ تا ہم اس کی صفات کے ہمرنگ ہوتے ہوئے اُس جیسے ہو جائیں۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ اس مقصد کے حصول کے لئے طہارت (ذہنی طہارت) ... ... عمل اور توجہ کے قیام کی ضرورت ہے۔ جب تک ہمارے اعمال پاک نہ ہوں اور ہمارے ذہنوں میں صفائی اور لطافت نہ ہو ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

تیسری بات یہ ہے۔ کہ چونکہ اس مقصد کا حصول ہر فرد بشر کا حق ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں۔ کہ زید تو اپنی پیدائش کے مقصد کو حاصل کرے۔ اور بکر نہ کرے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ بجائے اس کے کہ کوئی انسان اس قسم کی ترقیات کے لئے قانون وضع کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ایک مذہب اُتارے اور سب کے لئے یکساں سامان ہدایت میسّر کر دے۔ ورنہ اگر اُمراء کے سپرد مذہبی قوانین بنانا ہوتا۔ تو وہ اس قسم کے قانون بناتے۔ جن کے ماتحت غرباء ترقی سے محروم ہو جاتے۔ اور اگر غریب قانون بناتے تو وہ امیروں کو اپنے دائرہ سے نکال دیتے۔ اور کہتے۔ کہ اُنہوں نے بہت کچھ فوائد حاصل کر لئے ہیں۔ اب انہی کا حق ہے۔ کہ وہ ترقیات حاصل کریں۔ ان مشکلات کی وجہ سے ضروری تھا۔ کہ قانون خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا۔ اور وہ قانون اس قسم کا ہوتا۔ کہ امیر اور غریب سب ایک جیسے اس کے پابند قرار دئے جاتے۔ ورنہ اس میں بہت سے نقصانات کا احتمال ہوتا۔ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے۔ اگر اُمراء قانون بناتے۔ تو وہ مثلاً فیصلہ کر دیتے۔ کہ اعلیٰ درجہ کی روحانیت وہی شخص حاصل کر سکتا ہے۔ جو ہزار روپیہ دیگا۔ یہ قانون اگر بن جاتا۔ تو غریب مارے جاتے۔ پس ایسے قانون کی ضرورت تھی۔ جو امیر غریب، مرد، عورت اور بڑے چھوٹے ہر فرد کے لئے قابل عمل ہوتا اور سب بلا کسی امتیاز کے اس پر عمل کرتے۔ اور ایسا قانون اللہ تعالیٰ ہی نازل کر سکتا ہے۔ پھر انسانی قانون میں یہ بھی نقص رہ جاتا کہ پہلے اور پچھلوں میں بہت سا فرق ہو جاتا۔ اگر انسان قانون بناتا۔ تو یقیناً دو ہزار سال کے تجربات کے بعد ہی اس نے بنانا تھا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ پہلے لوگ جو تجربات کے عرصہ میں ہوئے۔ اس سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہتے۔ پس ضروری تھا کہ الہام

الہام کے ذریعہ مذہب نازل ہوتا۔ اور وہ ہر ایک کے سامنے اس کے فوائد کی چیزیں پیش کر دیتا۔

بے شک لوگ کہتے ہیں۔ کہ مذاہب کی کشمکش کے باوجود اب تک بہت سے انسان اپنے مقصد پیدائش کو حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ مگر یہ بے توجہی خود پیدا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ کھولا ہُوا ہے۔ اگر راستہ نہ ہوتا۔ تو بے شک خدا تعالیٰ پر اعتراض کیا جا سکتا تھا۔ مگر اب جبکہ مذہب کی وجہ سے راستہ کھُلا ہے۔ مگر لوگ توجہ نہیں کرتے۔ تو یہ بندوں کا اپنا قصور ہے۔ جس کی انہیں تلافی کرنی چاہیئے۔

چوتھی بات یہ سمجھ لینی ضروری ہے۔ کہ چونکہ انسانی طاقتوں کی باریکیوں کو اس کا پیدا کرنے والا ہی جان سکتا ہے۔ اس لئے مذہب کوئی انسان تجویز نہیں کر سکتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ ہی اسے نازل کر سکتا ہے۔ علم النفس والے آجتک اپنی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ قطعی اور یقینی طور پر فلاں بات اس طرح ہے۔ اور اگر کوئی بات ثابت بھی ہو جائے۔ تو کچھ عرصہ کے بعد اور علوم بعض دفعہ اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح ماہرین علم النفس بھی یوں گھبرا جاتے ہیں۔ جس طرح میلے میں ایک بچہ گھبرائے پھرتا ہے۔ بے شک ظاہری علوم اور تحقیقاتیں بھی ضروری ہیں مگر یہ چیزیں کبھی بھی انسان کو اصل مقصود تک نہیں پہنچا سکتیں۔ پس ضروری ہے۔ کہ علم روحانی ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہو جو ہمارے ذہن کے ہر گوشہ اور ہمارے قلب کی ہر کیفیت سے واقف و آگاہ ہو۔

پانچویں بات یہ ضروری ہے۔ کہ مذہب کی تعلیم ایسی ہونی چاہیئے۔ کہ جس غرض کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے ماتحت چلکر وہ اسے حاصل ہو جائے۔ مثلاً انسان کی پیدائش کی اہم ترین غرض یہ ہے۔ کہ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ پس مذہب کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ہمیں جس قسم کے اعمال کا بھی حکم دے۔ لازماً وہ اعمال اس قسم کا نتیجہ پیدا کریں کہ ہمیں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو سکے۔ اسی طرح وہ ہمیں اندھا دھند کسی بات سے نہ روکے کہ اگر ایسا کرو گے۔ تو اس کے نتیجہ میں خدائی قرب سے محروم ہو جاؤ گے۔ اگر کوئی مذہب اس حقیقت کے ماتحت ہمارے سامنے اعمال کا نقشہ پیش نہیں کرتا۔ اور وہ ہر امر اور ہر نہی میں ہماری پیدائش کی حقیقی غرض ہمارے سامنے نہیں رکھتا۔ تو وہ ہم پر بلاوجہ چٹی ڈالتا ہے۔ پس وہی مذہب سچا کہلا سکتا ہے۔ جس کا کوئی حکم حکمت و دانائی سے خالی نہ ہو۔ اگر وہ ہمیں کسی بات سے منع کرے۔ تو اس لئے کہ وہ زہر ہو۔ اور اگر حکم دے تو اس لئے کہ وہ ہمارے لئے تریاق ہو۔ چھٹے چونکہ ترقیات انسانی

کے لئے ابتلاؤں کا سلسلہ ضروری ہے۔ اور آزمائش سے ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ اگر ابتلا نہ ہوتے۔ تو تمام انسان یکساں رہتے۔ اور کمال حاصل نہ ہو سکتا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی زندگی کو دو حصوں میں منقسم کر دیا جاتا۔ تاکہ اگر کوئی شخص بدی کر کے اپنی رُوح کو اپاہج کر لے۔ تو اُسے اگلے جہان علاج کے بعد پھر ترقی کے راستہ پر ڈال دیا جائے۔ اگر اس دنیا میں یہ ابتلا کا سلسلہ نہ رکھا جاتا۔ تو یقینی طور پر روحانی ترقیات بھی حاصل نہ ہوتیں۔ جیسا کہ آج اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کس حالت میں ہیں۔ اور نمرود کس حالت میں۔ اور یہ کہ حضرت ابراہیمؑ ترقیات کے کس بلند مقام پر فائز ہیں۔ اور آپؑ کے مخالف کس ذلّت و نکبت میں ہیں۔ تو وہ کبھی اس راہ کو اختیار نہ کریں جو انبیاءؑ کے خلاف ہوتا ہے۔ لیکن اس قسم کے اعمال انہیں انعامات کے وارث نہیں بنا سکتے تھے۔ کیونکہ جب کوئی چیز کھُل جائے اور پردہ درمیان سے اُٹھ جائے۔ تو اسے تسلیم کر لینا کسی انسان کی خوبیوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ پس ضروری تھا کہ مذہب انسانی زندگی کو دُو حصّوں میں منقسم کر کے ایک پر اخفا کا پردہ ڈال دیتا اور ابتلاؤں کا سلسلہ رکھ کر اسے انعامات اور رُوحانی ترقیات کا وارث بناتا۔

ساتویں بات۔ چونکہ بنی نوع انسان کو بلا کسی امتیاز کے ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور ہر انسان کے لئے اس مقصد کا حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے ابتلا انتقامی نہ ہوں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص غلطی کرے تو اسے سزا نہ دی جائے۔ بلکہ میرا مطلب ہے کہ ایک غلطی کے نتیجہ میں جو سزا اس پر وارد ہو وہ بطور علاج ہو نہ بطور سزا۔ جیسے بچّہ کئی دفعہ غلطی سے بد پرہیزی کر بیٹھتا ہے۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ مگر اسکی سزا یہ ہوتی ہے۔ کہ ڈاکٹر سے علاج کروایا جائے۔ اور اسے دوائیں پینی پڑیں۔ اسی طرح ضروری ہے کہ اگر انسان کو رُوحانی تکمیل کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تو اس کو سزا دینے کا طریق علاج والا ہو نہ کہ انتقام والا۔

آٹھویں بات۔ چونکہ انسان کو پاکیزگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور ہر انسان کو بحیثیت فرد اور بحیثیت جماعت خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ ایک شریعت ہو۔ جو ہمارے سامنے ایسی تعلیم پیش کرے۔ کہ اس پر عمل کر کے ہم میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی یہاں تک کہ ایک دہریہ بھی خدا تعالیٰ تک پہنچ جائے ؛

ہستی باری تعالیٰ کے دو ثبوت

مذہب کے دو بڑے حصّے ہیں۔ اوّل وجود باری۔ دوسرا مقصد پیدائش۔ جو لوگ مذہب سے متنفّر ہو کر لامذہبیّت کی رَو میں بہ رہے ہوتے ہیں۔ ان کا اصل اور بڑا سوال یہی ہوتا ہے کہ کیا خدا ہے؟ یہ سوال اگرچہ ایک نہایت ہی وسیع مسئلہ پر مشتمل ہے۔ مگر میں اسوقت جواب کے لئے دو چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کر دیتا ہوں بس

پہلی بات تو تاریخی ثبوت ہے۔ یعنی بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام۔ ایرانیوں میں حضرت زرتشت علیہ السّلام۔ ہندوستان میں حضرت کرشن علیہ السّلام۔ اور عرب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ ان لوگوں نے دعویٰ کیا۔ کہ خدا ہے۔ جس نے انہیں دُنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ اور ان کے مبعوث کئے جانے کی غرض یہ ہے۔ کہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بُلائیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں کی زندگیوں نے دُنیا کو کیا سبق دیا۔ تو ہمیں نظر آتا ہے کہ جو پاکیزگی ان لوگوں نے دکھائی۔ دُنیا کا کوئی انسان ویسی پاکیزگی اور طہارت نہیں دکھا سکا۔ ان میں سے ہر ایک کے حالات زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانہ میں بے مثل تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی زندگی دیکھ لو۔ اس میں کس قدر قربانی اور ایثار کے نشانات دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی زندگی دیکھو۔ انہوں نے کتنے حلم اور انکساری کا نمونہ دکھایا۔ حضرت بُدھ کو دیکھو انہوں نے بادشاہ کا بیٹا ہو کر کس طرح خدا کی رضا کے لئے اپنے بیوی بچّے کو چھوڑ دیا۔ وہ کتنے ناز و نعم سے پلے تھے۔ پھر کس طرح انہوں نے دنیا کی عزّتوں سے مُنہ موڑ کر جنگل و بیابان کو اپنا گھر بنایا اور اس لئے بنایا کہ تا ان کا خالق و مالک ان سے راضی ہو یہ وہ لوگ تھے جن کی راستبازی اور سچّائی مسلّمہ تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی امانت و دیانت غیر مشتبہ تھی۔ اور یہ وہ لوگ تھے۔ جو پاکیزگی اور طہارت باطنی کے بلند مقام کو حاصل کئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے دُنیا کی راہنمائی کی۔ اور کتنا زبردست تغیّر پیدا کر دیا۔ حضرت کرشنؑ کو دیکھو انہوں نے کیسا زہن کا چکّر لگایا۔ وہ کبھی جنگلوں میں جاتے۔ اور کبھی بیابانوں میں اور جب دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تو یہی پیغام لے کر آئے۔ کہ اے لوگو! میں تمہیں خدا کی طرف بُلانے آیا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو دیکھ لو۔ جب آپؐ مبعوث ہوئے۔ خون کا پیاسا دشمن آپؐ کے سامنے تھا۔ مگر وہ بالاتفاق یہی کہتا تھا۔ کہ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک ہم نے اس شخص کو بے عیب پایا ہے

آپؐ خود لوگوں کے سامنے دعویٰ پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کیا تم میری زندگی پر کوئی عیب لگا سکتے ہو۔ اگر نہیں لگا سکتے۔ تو بیک بختو غور تو کرو۔ اگر چالیس سال تک میں نے کبھی کوئی خلاف واقعہ بات نہیں کہی۔ تو اب تم مجھے کس طرح جھوٹا کہہ سکتے ہو۔ یہ وہ چیلنج ہے۔ جو ہر نبی کی طرف سے مخالفین کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور یقیناً اپنی اپنی زبان میں یہ چیلنج حضرت کرشنؑ حضرت بدھ حضرت زرتشتؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ سب نے دیا۔ اور ہر ایک نے یہی کہا۔ کہ مجھے خدا تعالےٰ نے پاک بنایا ہے۔ دنیا کا کوئی شخص ہمیں کسی عیب سے ملوث ثابت نہیں کر سکتا۔ شریر سے شریر دشمن ان کے سامنے تھے۔ مگر واقعات گواہ ہیں۔ کہ ایک شخص بھی ان پر کوئی عیب ثابت نہ کر سکا۔ کیا یہ واقعات انسان کو حیرت میں نہیں ڈال دیتے۔ اور کیا کوئی انسان یہ تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ ایسی پاکیزہ زندگیاں انہی کو نصیب ہوتی تھیں۔ جو دُنیا کو نعوذ باللہ دھوکا اور فریب دینے والے تھے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کی اوّل درجہ کی پاکیزگی اور راستبازی اور اس پاکبازوں کے گروہ کا متفقہ طور پر یہ کہنا کہ دُنیا کا ایک خدا ہے۔ زبردست ثبوت ہے اس بات کا کہ ایک ایسی ہستی موجود ہے۔ جو اُن لوگوں کی دن رات حفاظت کرتی تھی۔

پھر ان کے مقابلہ وہ لوگ جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہمیں کسی شریعت کی ضرورت نہیں جنہوں نے حضرت کرشنؑ حضرت بُدھ حضرت زرتشت حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا ان کی زندگیوں پر غور کرلو۔ وہ وعدہ خلافیوں کے مرتکب دکھائی دینگے۔ دھوکا اور فریب دینے والے نظر آئینگے۔ بدی اور بدکاری میں ملوث نظر آئینگے۔ گویا ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جن کی پاکیزہ زندگیاں اس بات پر گواہ ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کہا سچ کہا۔ اور دوسری طرف انبیاءؑ کے مخالفین کا بدکاریوں میں مبتلا رہنا اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ ایک طرف خدا کا ہاتھ تھا۔ اور دوسری طرف شیطان کا۔

پھر باوجود دشمنوں کے پیہم مظالم اور ایذا رسانیوں کے باوجود ان کے ستانے اور دُکھ دینے کے ان کی زندگیوں میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے۔ کہ انہوں نے اپنے دشمنوں کے لئے دُعائیں کیں۔ جو خون کے پیاسے تھے۔ ان پر رحم کھایا۔ اور جب ان پر غلبہ و تصرف حاصل ہوگیا۔ تو انہیں معاف کر دیا۔ حضرت مسیحؑ کی زندگی کو دیکھ لو۔ وہ ہمیشہ دشمنوں کے لئے دُعائیں مانگتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکّہ والوں نے جو کچھ سلوک کیا وہ کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ انہیں خود اس امر کا اقرار تھا۔ کہ انہوں نے آپؐ سے ویسا ہی سلوک کیا ہے۔ جیسا یوسفؑ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ مگر بیس سال کے بعد جب مکّہ فتح ہوتا ہے۔ اور وہ ظلم کرنے والے قیدیوں کی شکل میں آپؐ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ آپؐ

ان سب کو معاف کر دیتے ہیں۔ اور صحابہؓ خون کے آنسو پی کر رہ جاتے ہیں۔ غرض سب انبیاءؑ کی زندگیوں پر غور کرنے سے ہمیں ان میں۔ رحم۔ عدل۔ انصاف راستبازی صداقت اور عفت نظر آتی ہے۔ اور یہ وہ راستباز لوگ ہیں جو کہتے ہیں۔ کہ ایک خدا موجود ہے۔ اگر ان لوگوں کو ہم کہیں۔ کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ تو دُنیا میں کس کو راستباز کہا جائیگا۔ کس کی بات پر اعتبار کیا جائیگا۔ اور کس کے قول کو سچائی سے بڑھ کر قرار دیا جائیگا۔ بیشک فلسفہ کی کتابیں دیکھ کر آپ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ خدا کہاں ہے۔ مگر ان لوگوں کی زندگیوں کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرنا سچائی کا خون کرنا ہے۔

پھر وہ نشانات دیکھو۔ جو ان کے ذریعہ ظاہر ہوئے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت بنے۔ کون نہیں جانتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نہایت ہی کمزوری اور بیکسی کی حالت میں تھے۔ حضرت موسیٰؑ آئے۔ تو وہ بھی کمزور تھے۔ فرعون نے انہیں اور ان کے ماننے والوں کو ہلاک کرنیکی حتی المقدور کوشش کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو وہ بھی کمزور تھے۔ مگر ان میں سے ہر ایک نے یہی کہا۔ کہ گو ہم کمزور ہیں۔ مگر خدا ہمیں کامیاب کریگا۔ ہم کچھ نہیں۔ مگر خدا کی نصرت ہمارے ساتھ ہے اور اس کے فضل سے ایک دن ہم دُنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دینگے۔ بدی اور گند کو مٹا دیں گے شیطنت اور فسق و فجور کا سر کُچل دینگے۔ واقعات پر نگاہ ڈالو۔ کہ جو کچھ انہوں نے کہا وہ پورا ہوا یا نہیں وہی عیسیٰؑ جنہیں صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ تین سو سال میں ان کی تعلیم نے دنیا پر اپنا گہرا اثر جما لیا۔ دشمن ان کی سرداری کا اقرار کرنے لگ گئے۔ بُدھ کی قوم کو بھی حکومت مل گئی۔ زرتشت کے ماننے والے بھی دنیا پر غالب آگئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بھیڑوں اور بکریوں کے چرواہوں کو دُنیا کا بادشاہ بنا دیا۔ یہ کونسی چیز تھی۔ جس نے ان کے دشمنوں کو کُچل دیا۔ کونسی چیز تھی۔ جس نے ان کو مخالف حالات میں کامیاب کر دیا۔ یہ خدا تعالیٰ کا ہی وجود تھا۔ جس نے دُنیا پر ایمان لانے والوں کا ساتھ دیا۔ جس نے انہیں معزز اور باوقار بنا دیا۔ اور جس نے ان کے نفوس میں اتنا عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا۔ کہ وہ دُنیا کے راہنما بنگئے۔ اور آج اُن میں سے ہر ایک شخص کا نام دنیا میں ادب سے لیا جاتا ہے۔ اور ہر شخص یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ کہ وہ تریاق تھے۔ جنہوں نے زہروں کو بے اثر کر دیا۔ وہ سنگِ پارس تھے۔ کہ جو اُن سے چھُوا وہ سونا بن گیا +

دوسری دلیل تجربہ اور مشاہدہ کی ہے

اگر غور کریں تو آپ لوگوں کو معلوم ہو گا۔ کہ ہر وقت خدا تعالیٰ اپنے وجود کو ظاہر کر رہا ہے۔ کسی گاؤں میں

پھر چلے جاؤ۔ اپنے شہر کے محلوں میں پھر کر دیکھ لو۔ ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے ہر ایک قوم کے ایسے افراد دکھائی دینگے۔ جو اپنے مشاہدہ اور تجربہ کے رُو سے بتا سکیں گے۔ کہ انہیں فلاں رؤیا ہُوا جو پورا ہو گیا۔ فلاں خواب دیکھا جو صحیح ہُوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک ایسا ثبوت ہے جو مذہب سے مخصوص نہیں۔ بلکہ ہر شخص اپنے نفس پر غور کرنے سے اس ثبوت کا مؤیّد بن سکتا ہے۔ اگر نفس انسانی میں اللہ تعالیٰ یہ مادہ نہ رکھتا تو یقیناً لوگ خدا تعالیٰ کو بھول جاتے۔ مگر اب چونکہ انسانی نفس میں یہ مادہ موجود ہے۔ اور ہر جگہ ایسے لوگ مل سکتے ہیں۔ جو بتاتے ہیں۔ کہ انہیں قبل از وقت ایک بالا ہستی کی طرف سے کوئی بات بتلائی گئی۔ اور وہ پوری ہو گئی۔ اس لئے خدا تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتے۔ لاہور میں اگر چند والنٹیر روزانہ صبح کو پھر کر لوگوں سے یہ دریافت کیا کریں۔ کہ انہوں نے کیا کیا خوابیں دیکھیں اور پھر ان کو لکھ کر پندرہ بیس دن کے بعد دوبارہ ان کے پاس جائیں تو یقیناً انہیں معلوم ہوگا کہ بہت لوگوں کی خوابیں پوری ہو گئیں۔ اخبارات میں یہ تو ریکارڈ آجاتا ہے کہ آج اتنے اشخاص مرے اور اتنے پیدا ہوئے۔ لیکن خوابوں کا کوئی ریکارڈ نہیں دیتا۔ اگر یہ ریکارڈ رکھا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی طاقتوں اور اس کی قدرتوں پر لوگوں کا ایمان تازہ ہوتا رہتا۔

اگر کہا جائے کہ خوابیں وہم کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ تو اوّل تو یہ صحیح نہیں۔ باقی اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ خوابیں وہم کا نتیجہ ہوتی ہیں تو ہمیں جب خوابوں سے عظیم الشان فائدہ پہنچتا ہے اور وہ پوری ہو کر ہمارے ایمانوں کو بڑھاتی ہیں تو ہمیں اس سے کیا کہ یہ کسی وہم کا نتیجہ ہیں۔ ہمارے لئے وہ وہم اچھا ہے جو مفید ہے اور ہم نے اس عقل کو کیا کرنا ہے جو کسی کام کا نہیں ؏

مقصدِ پیدائش انسانی
اور
ضرورتِ مذہب

اس ضمن میں دوسرا سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ کیا انسان کو کسی خاص مقصد کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس کا جواب بھی یہی ہے۔ کہ ہاں انسان کو ایک خاص غرض کے لئے پیدا کیا گیا۔

اوّل۔ انسانی پیدائش کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ارتقاء کے ماتحت ہوئی ہے۔ گو میں ڈارون کی مانند ارتقاء کا قائل نہیں مگر بہر حال ایک ایوولیوشن اور ارتقاءِ انسانی

پیدائش میں ضرور نظر آتا ہے۔ اور یہ بھی نظر آتا ہے۔ کہ جو اعلیٰ چیز ہے۔ وہ قائم رہتی ہے۔ اور ادنیٰ ہو وہ فنا ہو جاتی ہے۔ پہلے نباتات کو ایک زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اور حیوانی زندگی کے بعد جب انسان کے استعمال میں آجائے۔ تو اسے انسانی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ گویا ایک ارتقاء ہے جو ہوتا چلا جاتا ہے۔ انسانی جسم کے متعلق ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اب ارتقاء جسمانی بناوٹ میں نہیں ہوتا بلکہ انسان کے ذہن میں ارتقاء ہوتا ہے۔ پس ذہن اور فکر میں قوّت پیدا کرنا ہماری پیدائش کا مقصد ہے۔ دنیا کروڑ ہا برس سے قائم ہے۔ اور لاکھوں تغیّرات کے بعد انسان بنا ہے۔ اور چونکہ ہر روز انسانی ذہن میں بلندی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس لئے معلوم ہُوا کہ انسان ذہنی ارتقاء کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس کا نام مذہب ہے۔

دوسری چیز ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی ذہن میں غیر محدود خدمت کی خواہش رکھ دی گئی ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ اتنی نیکی کروں یا اتنی بدی کروں۔ بلکہ وہ غیر محدود نیکی اور غیر محدود بدی کی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ گو حالات اسے روک دیتے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اگر ایک شخص کو غیر محدود نیکی کے سامان ملتے تو وہ ہمیشہ نیکی کرتا۔ یہ امر بتاتا ہے۔ کہ کوئی ایسا قانون ہونا چاہیئے جو انسان کی نیکی اور بدی کو ایک دائرہ میں محدود رکھے۔

ظاہری عالم پر نظر کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے آنکھیں بنائی ہیں تو سورج بھی بنا دیا ہے۔ اگر کان دیئے ہیں تو ہوا بھی بنا دی ہے۔ زبان دی ہے تو بولنے کی طاقت بھی ہمارے اندر پیدا کر دی ہے۔ اگر ملمس میں چھونے کی طاقت رکھی ہے تو ایسی چیز بھی بنا دی ہیں جو نرم یا سخت ہیں۔ پس کس طرح ممکن تھا۔ کہ خدا تعالیٰ ہمیں غیر محدود ترقی کے لئے پیدا کرتا مگر وہ ہمارے لئے اس ترقی کے کوئی سامان پیدا نہ کرتا۔ جب انسانی فطرت میں تمام تقاضوں کے جواب پائے جاتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس تقاضا کا بھی جواب ہو۔ یہ چیز ہے۔ جو مذہب کو ایک نئے رنگ میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ پھر اگر خدا بھی ہے۔ اور اس نے کوئی مذہب بھی قائم کیا ہے تو یہ کہنا کہ میں کیوں مانوں کٹ حجتی نہیں تو اور کیا ہے۔

مذہب ایک اہم چیز ہے

میں دوستوں کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ مذہب ایک اہم چیز ہے۔ خود انسانی نفس کے اندر ایسے ثبوت موجود ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا کا کوئی خدا ہے۔ اپنے گھروں اور محلّوں میں تلاش کرنے سے ایسے شواہد میسّر آسکتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے وجود پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر انسان کو صرف اس غرض

کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے۔

جب انسان معمولی مرچیں کھالے۔ تو اسے پیچش ہو جاتی ہے۔ سنکھیا کا زہر کھالے تو ہلاک ہو جاتا ہے تو وہ چیز جو روحانی ترقیات کے لئے بنائی گئی ہے۔ اگر انسان اس کی طرف توجہ نہیں کریگا۔ اگر وہ ان بڑے بڑے گناہوں سے نہیں بچیگا۔ جو انسانی رُوح کو اندھا اور اپاہج بنا دیتے ہیں تو وہ کس طرح سزا سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ بیشک خدا تعالیٰ انتقام نہیں لیتا اور وہ بُرے افعال کا ایک طبعی نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ لیکن بہرحال غلط راستہ پر چلنے کا بُرا انجام ہُوا کرتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کی یہ کوشش ہونی چاہیئے۔ کہ وہ ان خطرات سے محفوظ رہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ انسان جو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا۔ اور اس کی محبت کے حصُول کے لئے جد و جہد کرتا ہے۔ وہ خدا کا پیارا ہو جاتا ہے۔ اور وہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتا نہ اس دُنیا میں اور نہ اگلے جہان میں ؞

ایک سوال کا جواب

تقریر کے بعد ایک غیر احمدی دوست نے سوال کیا۔ کہ دُنیا میں کثرت سے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے کیا وجہ ہے۔ کہ لوگ مذہب سے بیزار ہیں۔

حضور نے فرمایا :-

میں نے جیسا کہ بتایا تھا۔ انسان کی تکمیل کیلئے ضروری ہے۔ کہ اسے مقدرت دی جائے۔ مقدرت عربی زبان کا ایک لفظ ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ انسان کو طاقت دی گئی ہے۔ کہ وہ ترقی کرے۔ اور اسے اختیار دیا گیا ہے۔ کہ وہ تنزّل میں گرے۔ اگر مقدرت نہ دیجاتی۔ تو تکمیل کا کوئی فائدہ نہ ہو سکتا۔ اور اس کی ترقی انعام نہ کہلا سکتا۔ اس صورت میں وہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ لوہا یا لکڑی ہے۔ کہ ان کا لوہا یا لکڑی ہونا ان چیزوں کی کسی خوبی پر دلالت نہیں کرتا۔ پس انسان کیلئے ضروری تھا کہ وہ ارادہ رکھتا اور مشکلات کو اپنی طاقت سے زیر کرتا۔ تا وہ انعامات کا مستحق سمجھا جاتا۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جب مقدرت دیجائے تو مختلف لالچوں۔ ماں باپ کی غفلتوں۔ بُری صحبتوں اور زمانہ کے مخفی اثرات کی وجہ سے ایسی حالت بھی آجاتی ہے۔ جب مذہب سے انسان غافل ہو جائے۔ ان حالات میں خدا تعالیٰ کا فرض تھا کہ وہ ایسے آدمیوں کو مبعوث کرتا جو غافلوں کو ہوشیار کرتے۔ اور سوئے ہُوؤں کو جگاتے۔

پس مقدرت کے لحاظ سے اگر انسان غافل ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کے رحم کے لحاظ سے ضروری تھا۔ کہ ایسے آدمی بھیجے جاتے جو غفلت کو دُور کرتے۔ غرض مقدرت کے بغیر تکمیل نہیں۔ اور مقدرت کے نتیجہ میں چونکہ غفلت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے مذاہب کی موجودگی میں بھی مذہب سے بعض لوگوں کو بیزاری ہو جاتی ہے؀

ختم شد

اِسلام بمقابلہ دیگر مذاہب

[ضرورتِ مذہب کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذاہب عالم میں سے کونسے مذہب کو فوقیت حاصل ہے۔ سو اس کے لئے حضرت امام کی ایک تقریر کے مندرجہ ذیل اقتباسات مطالعہ ہوں۔ (ایڈیٹر)]

اسلام کا دعویٰ ہے۔ کہ اس سے پہلے جس قدر مذاہب تھے۔ وہ دو وجوہات سے منسوخ کردیئے گئے۔ اوّل تو یہ کہ ان کی بعض تعلیمیں وقتی تھیں۔ اور ایک خاص قوم یا خاص ملک یا خاص زمانہ کے حالات کے مطابق تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی کامل حکمت چاہتی تھی۔ کہ اب ان کو منسوخ کردیا جائے۔ اور ایک ایسی تعلیم بھیجی جائے۔ جو سب قوموں اور سب ملکوں اور سب زمانوں کے مطابق حال ہو۔ اور دوم اس لئے کہ پہلی کتب کی اصل تعلیم بھی بہت کچھ بگڑ چکی تھی اور ان کی الہامی کتابیں اس شکل میں نہ رہی تھیں۔ جس میں کہ وہ نازل ہوئی تھیں۔ اور اب ان پر عمل کرنا ایک محقق انسان کیلئے مشکل ہوگیا تھا کیونکہ وہ اس کیلئے بوجہ مشکوک ہونے کے باعث تسلّی نہ رہی تھیں۔ اور باوجود ان کے اندر بہت سی صداقتوں کے موجود ہونیکے انسان یقین اور تسلّی سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ وہ جس حکم پر عمل کر رہا ہے۔ واقعہ میں وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے بھی یا نہیں۔ پس اس بے اعتباری اور شک کو دُور کرنے کیلئے جو روحانی ترقیات کیلئے ایک مہلک زہر کی طرح ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے چاہا۔ کہ ایک نیا کلام اور نئی شریعت نازل کرے۔ جس پر انسان بلا کھٹکے عمل کرسکے۔ اور جس کے ہر ایک لفظ کی نسبت ایسے یقین ہو۔ کہ یہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور اسلام اور دیگر مذاہب میں یہ بھی عظیم الشان فرق ہے۔ کہ دیگر مذاہب میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کی مذہبی کتب اسی طرح محفوظ ہوں جس طرح وہ نازل ہوئی تھیں۔ یا جن کے محفوظ ہونیکا کوئی قطعی ثبوت ہو۔ لیکن اسلام کی کتاب قرآن کریم کی نسبت زبردست تاریخی شہادتوں کی بنا پر یقیناً کہا جاسکتا ہے۔ کہ وہ اپنی اسی شکل میں ہے جس شکل میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس لئے جو تسلّی ایک مسلم کو قرآن کریم پر عمل کرتے وقت ہوسکتی ہے۔ وہ کسی اور مذہب کے پیرو کو اپنی الہامی کتب پر نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ تمام کی تمام کتب کا یہی حال ہے۔ کہ یا تو زبردست تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوگیا ہے۔ کہ

ان کی اصل شکل اسوقت قائم نہیں ہے۔ اور یا وہ ایسے تاریک زمانوں میں سے گذری ہیں۔ کہ ہرگز یقین کے ساتھ ان کی نسبت نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ اپنی اصلی حالت پر ہیں ٭

قرآن کریم مذہب کی دو ہی غرضیں بتاتا ہے۔ ایک حقوق اللہ کی بجا آوری۔ اور دوسری حقوق العباد کی نگہداشت۔ اور دیگر مذاہب بھی اس بات میں قرآن کریم کے مخالف نہیں پس ہم اس مقابلہ میں ان دونو پہلوؤں کو لیتے ہیں۔ اس مقابلہ میں سب سے پہلے ہم تعلق باللہ کو لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ اسلام نے خدا تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا تعلق قائم کرنے کے لئے کیا تدبیر کی ہے۔

انسانی فطرت کے مطالعہ کے بعد ہمیں لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہی تعلیم ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ملک اور ہر ایک انسان کیلئے مفید ہو سکتی ہے۔ جس میں (محبّت حُسن۔ محبّت احسان۔ خوف) ان تینوں جذبات کو ہیجان میں لاکر تعلّق پیدا کرنے کی صورت کیجائے۔ اور اگر کوئی مذہب ایسا ہے۔ جو صرف خدائے تعالیٰ کے حُسن پر زور دیتا ہے۔ اور ایسی محبّت کی طرف انسان کو بُلاتا ہے۔ جس کا باعث کوئی خواہش یا طلب انعام نہ ہو۔ اور کسی بدلہ کی امید جس کے ساتھ نہ ہو۔ تو وہ ایک انسانی گروہ کا تو لحاظ کر لیتا ہے۔ لیکن دو دوسرے گروہوں کو جو احسان یا خوف کے بغیر تعلّق نہیں پیدا کرتے۔ اور نیک یا بد کسی نہ کسی سبب سے ان کے اندر وہ جذبہ مر گیا ہے۔ جو صرف حُسن سے محبّت کو جوش میں لاتا۔ اور اس طرح تعلّق پیدا کراتا ہے۔ تو ایسے لوگ اس مذہب کے ذریعہ سے ہرگز خدائے تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور ضرور ہے۔ کہ ان کی طبیعت اپنا علاج نہ پاکر دین سے بیزار ہو جائے۔ اور اس طرح ہمیشہ کی ہلاکت میں گر جائے۔ اسی طرح اگر کوئی مذہب صرف احسان پر زور دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی طرف متوجہ کرکے اس کا تعلّق اس سے قائم کرنا چاہتا ہے۔ جو وہ اپنے سے تعلّق رکھنے والوں کو دیتا ہے تو یہ مذہب بھی ایک طرف جُھک جاتا ہے۔ اور میانہ روی کو ترک کر دیتا ہے۔ اور وہ طبائع جو حُسن و خوف سے تعلّق پیدا کیا کرتی ہیں۔ ان کی بیماری کا علاج اس مذہب میں نہیں۔ اور ایسی تمام طبائع اس مذہب کے ذریعہ سے خدائے تعالیٰ تک نہیں لائی جا سکتیں۔ اسی طرح اگر کوئی مذہب خوفِ خدا پر ہی زور دیتا ہے۔ اور اسے ایسی بھیانک شکل میں دُنیا کے

سامنے پیش کرتا ہے۔ کہ اس سے قطعاً کسی بخشش اور رحم کی امید نہیں۔ تو بیشک وہ لوگ جو خوف کا اثر اپنے دل میں قبول کرتے ہیں۔ اس مذہب کے ذریعہ سے کچھ فائدہ اٹھائیں تو اٹھائیں لیکن وہ طبائع جو محبّت سے تعلّق پیدا کرنے کی عادی ہیں۔ کبھی اس مذہب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتیں۔ اور جو لوگ خوف سے تعلّق پیدا کرتے ہیں۔ ان کا تعلّق درحقیقت ایک عارضی تعلّق ہوتا ہے۔ اور ان انعامات کا ہرگز مستحق نہیں بناتا جن کا مستحق تعلّق محبّت بناتا ہے۔ پس وہ مذہب جو "خدا محبّت ہے" کہکر دُنیا کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اور صرف ایک عقیدہ پر ایمان لانے پر نجات کو منحصر کرتا ہے۔ اور اعمال کے پہلو کو بالکل بُھلا دیتا ہے۔ کبھی کُل بنی نوع انسان کیلئے کافی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بہت ہیں جو صرف ایمان پر اپنا مدار رکھ کر اپنی خونی طبیعت کے نیچے دب جائیں گے۔ اور خدا کی محبّت خواہ کیسے ہی اعلیٰ سے اعلیٰ رنگ میں ان کے سامنے پیش کیجائے۔ وہ اس سے متأثر نہ ہونگے۔ اور اسی طرح خدا سے دُور جا پڑینگے۔ جیسے کہ وہ بد بخت جو اپنے ماں باپ کے احسانات کو دیکھتے ہوئے۔ پھر ان کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ مذہب جو کہتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ایسا یکطرفہ معاملہ کرتا ہے۔ کہ اس نے اپنا تمام تعلّق ایک قوم سے مخصوص کر دیا ہے۔ اور اس کے سب چیدہ انعامات صرف ایک خاص نسل کے ساتھ وابستہ ہونے پر ملتے ہیں۔ کبھی سب دُنیا کی اصلاح کرنیوالا مذہب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسا مذہب خدائے تعالیٰ کے متعلق انسانوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرتا ہے نہ محبّت۔ پھر اسی طرح وہ مذہب جو خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ پیش کرتا ہے۔ کہ وہ کبھی کوئی گناہ نہیں بخشتا۔ اور نہ بخش سکتا ہے۔ وہ گو زبان سے اسے باپ یا ماں یا اس سے بھی زیادہ مہربان کہے۔ لیکن ایسا مذہب اس خالق فطرت کی طرف سے نہیں ہو سکتا جس نے انسانوں کے دلوں میں بھی ایسا رحم پیدا کیا ہے۔ کہ وہ اپنے گنہگاروں کو بخشتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دشمنوں نے ان کا فی الواقعہ نقصان کیا ہوتا ہے۔ لیکن کسی انسان کے کسی فعل سے خدائے تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ مذہب جو کہتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ انسان کے گناہوں میں سے نجات دیتے وقت بعض گناہ رکھ لیتا ہے۔ اور ان کی سزا میں پھر اسے دار العمل کی طرف واپس کرتا ہے۔ کبھی خدائے تعالیٰ کے ساتھ تعلّق پیدا کرنیکا باعث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس عقیدہ سے خدائے تعالیٰ سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی مایوسی پیدا ہو کر انسان گناہوں پر اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس درحقیقت وہی مذہب تمام دُنیا کیلئے ہو سکتا ہے۔ جو اِن تمام

باتوں میں میانہ روی اختیار کرتا ہے۔ اور ایک طرف تو خدا تعالیٰ کا حسن پیش کرکے دنیا سے محبّت کا خراج لیتا ہے۔ اور اس کے احسانات قدیم و جدید یاد دلا کر اس جذبۂ محبّت کو ابھارتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کی عظمت اس کے جبروت اس کی بدیوں سے نفرت کا نقشہ کھینچ کر اسے اس سے تعلق پیدا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور یہ مذہب صرف اسلام ہی ہے ؎

اللہ تعالیٰ سے بندے کا تعلّق قائم کرنے کے علاوہ مذہب کا ایک اور بھی کام ہے۔ اور وہ اپنے پیروان کو شفقت علیٰ خلق اللہ کی تعلیم دینا ہے۔ شفقت علیٰ خلق اللہ کے مضمون کے بڑے بڑے حصّے تین ہیں۔ اوّل انسان کا معاملہ اپنے نفس سے۔ دوّم انسان کا معاملہ دوسرے انسانوں سے۔ سوّم انسان کا معاملہ دوسرے حیوانوں سے ؎

مختلف مذاہب نے بنی نوع انسان کے آپس کے سلوک کے متعلّق تو بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن اس کے متعلق کہ انسان کو اپنے نفس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے۔ بہت کم مذاہب میں کوئی تعلیم پائی جائیگی۔ سوائے اسلام کے۔ کہ اس نے اس امر پر بھی نہایت تشریح کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اور علاوہ ان روحانی طریقوں کے بتانے کے جن کے ذریعہ انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے انسان کو اس بات کی طرف بھی متوجّہ فرمایا ہے۔ کہ اسے اپنے نفس کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ مسئلہ ایسا ضروری اور زبردست ہے کہ اس پر روشنی ڈالے بغیر کوئی مذہب کامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جبتک انسان کو یہ نہ بتایا جائے کہ وہ اپنے نفس سے کیسا معاملہ کرے۔ تب تک اس کی کامل طور پر اصلاح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جسم کا روح پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور جسم کی مختلف حالتوں سے روح متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی ؎

پس جبکہ جسم و روح کے قرب کی یہ حالت ہے۔ تو ضرور ہے۔ کہ جو حالت جسم کی ہوگی۔ وہی حالت روحانی ترقیات کی ہوگی۔ اور جو مذہب کہ انسان کو یہ نہیں بتاتا۔ کہ اسکے اپنے جسم کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیئے۔ وہ درحقیقت انسان کو منجھدار میں چھوڑ دیتا ہے کہ تا ہلاک ہو۔ اور جو مذہب اس کے متعلق ادھوری تعلیم دیتا ہے۔ وہ بھی کسی خاص حالت میں تو درست ہو سکتی ہے۔ لیکن ہر انسان کیلئے نہیں۔ بلکہ اغلب ہے۔ کہ بہتوں کی ہلاکت کا

باعث ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بعض مذاہب کی یہ تعلیم ہے۔ کہ جسم کو جس قدر بھی دُکھ دیا جائے اسی قدر روحانیت میں ترقی ہوتی ہے۔ اس تعلیم کا یہ نتیجہ نکلا ہے۔ کہ ان کے پیروان اپنے پورے زور سے اپنی جسمانی طاقتوں کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسے ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ کہ جن کے ذریعہ سے وہ اپنے جسم کو بالکل تباہ کردیں ؎

اس تفریط کے مقابلہ میں بعض مذاہب نے افراط سے کام لیا ہے۔ اور انہوں نے جسمانی ریاضتوں کو سرے سے ہی مضر اور لغو قرار دیا ہے۔ اور صاف کہدیا ہے۔ کہ جسم کو کسی ریاضت میں ڈالنا بالکل لغو اور فضول ہے۔ اور اس میں سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کو کسی انسان کو تکلیف دینے یا اسے بھوکا پیاسہ رکھنے سے کیا سروکار ہے۔ اور اس عذر کے ماتحت انہوں نے تمام عبادات کو ترک کردیا ہے۔ لیکن جس طرح ان مذاہب نے جنہوں نے نفس کو بلاوجہ دُکھ میں ڈالنے اور تمام لذائذ و نعماء سے بچنے کی ترغیب دی ہے۔ نفس کے حق میں تفریط سے کام لیا ہے۔ اسی طرح اس جماعت نے اس کے حق کی ادائگی میں افراط سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں۔ کہ جو لوگ طرح طرح کی دنیاوی لذتوں کے حصول میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ہر وقت اپنے جسم کی تربیت میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کا جسم اسقدر آرام طلب ہوجاتا ہے۔ کہ اس کے نتیجہ میں رُوح بھی سُست ہوجاتی ہے۔ اور ایسے لوگوں کا رفتہ رفتہ قلب بھی سیاہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جسم انسان کی رُوح کے ساتھ وہی تعلق رکھتا ہے۔ جو کہ ایک میوہ کا قشر اس کے مغز سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قشر خود مطلوب نہیں لیکن قشر کو جب مغز سے جدا کردو گے تو وہ فوراً یا کچھ دیر کے بعد بالکل برباد ہوجائیگا۔ اسی طرح اگر عبادات میں جسم کو بھی شامل نہ کیا جائے تو ایسی عبادات جلد فنا ہوجاتی ہیں اور ایسے لوگ جو عبادت کا تعلق صرف قلب کے متعلق سمجھ کر یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ صرف دل کی عبادت کافی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد دلی عبادت سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی رُوح کی تازگی جاتی رہتی ہے۔ اور سُستی اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور اسی طرح مرجھا جاتی ہے۔ جس طرح قشر سے الگ کیا ہُوا مغز۔ اور اس بات کو اگر نظر انداز بھی کردیا جائے تب بھی اس بات میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ کہ جس طرح انسان کی رُوح خدائے تعالیٰ کے احسان کے نیچے ہے۔ اسی طرح اس کا جسم بھی ہے۔ پس رُوح اور جسم دونو کو عبادت میں

لگاتا ہی انسان کو اس شکر گذاری کے فرض سے سبکدوش کر سکتا ہے جس کا بجالانا اس کیلئے نہایت ضروری ہے ؛

اسلام دین یا عزّت یا تمدّن کی حفاظت کیلئے انسان کو اپنی جان خطرہ میں ڈال دینے سے نہیں روکتا۔ بلکہ ایسے کاموں سے روکتا ہے۔ جن کا کوئی نیک نتیجہ برآمد ہونیکی امید نہ ہو اور جن میں انسان کی جان یا کسی اور مفید شئے کے بلا وجہ برباد ہونیکا خطرہ ہو۔ یہ تو ایک عام حکم ہے۔ جس میں اصولاً انسان کو بتایا گیا ہے۔ کہ اسے اپنے نفس سے کیسا معاملہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اس کے علاوہ قرآن کریم و احادیث میں اس کے متعلق بہت سی تفاصیل بھی پائی جاتی ہیں ؛

اسلام نے شفقت علیٰ خلق اللہ کے متعلق بھی کامل اور مکمّل تعلیم دی ہے۔ اور کس طرح افراط اور تفریط سے اجتناب کر کے میانہ روی کی طرف مسلمانوں کو متوجّہ کیا ہے۔ اور ایسے احکام دیئے ہیں۔ جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں جاری ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ایک طرف جسم انسانی کو رُوح کا شریک حال کرنے کیلئے۔ بلکہ روحانی طاقت کو بڑھانے کیلئے جسم کو بھی ریاضت اور عبادت میں شریک کیا ہے۔ تو دوسری طرف اس کی تربیت کی ہے۔ اور اس کی ضروریات کو پورا کرنیکا حکم دیا ہے۔ اور اسلام نے تو یہاں تک صحت انسانی کا خیال رکھا ہے۔ کہ ان مختصر سی عبادات میں بھی جو مسلمانوں کیلئے مقرر کی ہیں۔ بیماری اور سفر کی حالت میں بہت کچھ سہولت رکھ دی ہے، تاکہ کسی انسان پر وہ بوجھ نہ ہوں۔ اور کسی کی طبعی قوتیں اور استعدادیں اس سے تباہ نہ ہوجائیں۔ پس اس حصّۂ شریعت کے متعلق بھی صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو ایسی کامل تعلیم پیش کرتا ہے۔ جس پر تمام دُنیا کے انسان عمل کر سکتے ہیں ؛

دوسرا حصّہ شفقت علیٰ خلق اللہ کا وہ تعلیم ہوتی ہے۔ جو کسی مذہب نے اپنے پیروؤں کو اپنے سوا دوسرے بنی نوع انسان سے سلوک کے متعلق دی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ انّ اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاءِ والمنکر والبغي یعظکم لعلّکم تذکّرون۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان اور ایتاءِ ذی القربیٰ

کا حکم دیتا ہے۔ اور تم کو فحشاء اور منکر اور بغاوت سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں اس لئے نصیحت کرتا ہے۔ تا تم اپنی اصلاح کرلو۔ اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے ہر ایک مسلمان کو تین باتوں کا حکم دیا ہے۔ اور تین باتوں سے روکا ہے۔ گویا ایک حکم کے مقابلہ میں ایک نہی ہے۔ اور ہر ایک نیکی جس کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے مقابل کی بدی کو بھی بیان کردیا ہے۔ کہ اس سے تم کو بچنا چاہیئے۔ پہلا زینہ جس پر ایک مومن کو چڑھنے کا حکم دیا ہے۔ وہ عدل کا زینہ ہے۔ یعنی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ اگر کسی کے ہاں ملازم ہے۔ تو اس کا کام دیانت سے کرے۔ جتنی تنخواہ لیتا ہے۔ اس کے مطابق حسب معاہدہ کام بھی کرے۔ اگر مزدور ہے۔ تو محنت سے اپنا وقت اس شخص کے کام میں صرف کرے۔ جس نے اس کو لگایا ہے۔ اگر کسی کا کوئی روپیہ دینا ہے تو اسے ادا کرے۔ اگر کسی کا کوئی اور حق ادا کرنا ہے تو دیانت سے ادا کرے۔ غرض اپنے ہر ایک فعل میں عدل سے کام لے۔ اور کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ پورا پورا حق ادا کردے۔ اس کے بعد فرمایا۔ کہ عدل کے زینہ پر جب مومن چڑھ جائے۔ تو پھر اسے چاہیئے۔ کہ احسان کے زینہ پر قدم رکھے۔ یعنی نہ صرف اسے اس بات کا خیال رہے۔ کہ میں ہر ایک شخص کے حقوق پورے پورے ادا کردوں بلکہ اب اس کی ایمانی حالت اس درجہ تک ترقی پاجائے۔ کہ وہ لوگوں کے حقوق ادا کرکے اپنی طرف سے بھی کچھ بطور احسان ان کو دے۔ اور لوگوں کے ساتھ عدل کرنا تو اس کے لئے ایسا ہوجائے۔ جیسے ایک معمولی بات ہے۔ اور اس کو اب اسی بات کی فکر رہے۔ کہ میں اپنی طاقت۔ اپنی قوت۔ اپنے مال۔ اپنی دولت۔ اپنی عزت۔ اپنی وجاہت سے کس طرح لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں۔ اور جب وہ اس درجہ کو بھی پالے تو ایک مسلمان کو چاہیئے۔ کہ اس سے بھی بلند ہو۔ اور احسان کرنا بھی اس کی نظر میں ادنیٰ ہوجائے۔ اور وہ ایتاء ذی القربیٰ کا درجہ حاصل کرلے۔ جو احسان سے بہت بڑا درجہ ہے *

ایتاء ذی القربیٰ یعنی ایسا دینا جیسا کہ قریبی رشتہ دار دیتے ہیں۔ عام احسان سے زیادہ اعلیٰ درجہ کا احسان ہوتا ہے۔ اور اسی درجہ کی طرف اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بلاتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ کہ ایک مومن کو صرف احسان کے درجہ پر کھڑا نہیں ہوجانا چاہیئے۔ بلکہ اسے چاہیئے۔ کہ وہ آگے بڑھے۔ اور اپنے اندر بنی نوع انسان کی ایسی محبت پیدا کرے۔ کہ جیسی محبت کہ مہربان باپ اور محبت کرنیوالی ماں اپنے بچہ سے رکھتے ہیں۔ اور ان سے بلا امتیاز امارت و غربت نیک سلوک کرے۔ اور کسی وقتی جوش کے ماتحت ان سے تعلق نہ ہو۔ اسی طرح ان تین نیکیوں کے حاصل کرنیکے

ساتھ ہی وہ تین بدیاں بھی ترک کرے۔ یعنی ان بدیوں کو بھی ترک کر دے۔ جو اسکی اپنی ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور انکو بھی جو ہیں تو اس کی ذات کے ہی متعلق۔ مگر ایسی ہیں کہ لوگ بھی ان سے واقف ہوتے ہیں۔ اور انہیں ناپسند کرتے ہیں۔ اور وہ بدیاں بھی چھوڑ دے۔ جن میں دوسر لوگوں کے حقوق کو نقصان پہنچتا ہے یا کسی حکومت کے انتظام میں ان سے خلل آتا ہے۔ اور ان دونو حکموں کو ملا کر گویا شفقت علیٰ خلق اللہ کے تمام مدارج کو پورا کر دیا۔ کیونکہ شفقت دُو ہی قسم پر منقسم ہوتی ہے۔ اوّل ایصال خیر۔ دوئم دفع شر۔ اور اس آیت میں دونو قسموں کو بتمام وکمال بیان کر دیا گیا ہے۔ یعنی ایک مُسلم کو لوگوں سے نیکی تو اتنی کرنی چاہیئے۔ کہ عدل سے ترقی کرتے کرتے۔ وہ اس حد تک پُہنچ جائے۔ کہ لوگوں کے ساتھ ایسی محبّت کے ساتھ معاملہ کرے۔ اور بلا امتیاز ان پر اس طرح احسان کرے جس طرح ماں باپ بچّہ پر کرتے ہیں۔ اور بدی سے بھی اسقدر دُور رہنا چاہیئے۔ کہ خطرناک بغاوتوں اور شرارتوں کو چھوڑتے چھوڑتے اس حد تک پُہنچ جائے۔ کہ ان بدیوں کو بھی چھوڑے جو صرف اس کے نفس کے اندر مخفی ہیں۔ کیونکہ نہ معلوم کسی نامعلوم رنگ میں ان سے ہی کسی کو نقصان پُہنچ جائے غرض شفقت علیٰ خلق اللہ کے دونو پہلوؤں۔ یعنی ایصال خیر اور دفع شر کے تمام مدارج کو اس آیت میں بیان کر دیا گیا ہے ۞

اسلام نے جہاں انسانوں پر شفقت کا حکم دیا ہے۔ وہاں جانوروں پر شفقت کی بھی سخت تاکید کی ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (الذاریٰت ع ۱) یعنی مسلمان وہ ہوتا ہے کہ اسکے مال میں ان کا جو سوال کر سکتے ہیں یعنی انسانوں کا اور انکا جو سوال نہیں کر سکتے یعنی جانوروں کا حق ہوتا ہے یعنی مسلمان کا کام ہے۔ کہ وہ اپنے مال میں محتاج انسانوں اور جانوروں کو بھی شریک کرے۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے۔ کہ جانور کو ایذا دینی سخت منع ہے ۞

پس اسلام ہی ایک مذہب ہے۔ جو تمام دنیا کے لئے قابل عمل ہے۔ اور وہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس کی تعلیم پر ہر ایک طبقہ اور ہر ایک طبیعت کے انسان عمل کر سکتے ہیں۔ اور جس پر عمل کر کے کوئی مفسدہ پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو ہر زمانہ کیلئے قابل عمل ہے۔ اور اسی پر چل کر انسان نجات پا سکتا ہے۔ اور جو خوبیاں تمام مذاہب مختلف طور پر رکھتے ہیں۔ وہ سب کی سب اس میں جمع ہیں۔ اور یہ تمام مفید اور بابرکت تعلیمات کو اپنے اندر شامل رکھتا ہے۔ اور چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا بھیجا ہُوا آخری مذہب ہے۔ اس لئے اسی پر چلکر انسان نجات پا سکتا ہے۔ اور یہی مذہب ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ سے اسی دنیا میں ملا دیتا ہے۔ اور ہمیشہ پھل دیتا ہے۔ چنانچہ اسپر چلنے والے لوگ ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ تک پُہنچتے رہے ہیں ۞

خصوصیات اسلام

اوّل:- قانون قدرت خدا کا فعل، اور الہامی کتاب اس کا قول ہے۔ اور یہ ضروری امر ہے کہ خدا کے قول اور فعل میں مطابقت ہونی چاہیئے اور یہ اسلام ہی کی خوبی ہے کہ اسمیں خدا کا قول اور فعل دونو مطابق ہیں ٭

دوئم:- دوسری خصوصیت اسلام کی یہ ہے کہ اسمیں ہر زمانہ میں ایسے لوگ مبعوث ہوتے رہینگے جو خدا سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرینگے اور اسلام کی محافظت پر مامور ہونگے۔ جیسا کہ رسول مقبولؐ نے فرمایا۔ ان اللّٰہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃٍ من یجدّد لھا دینھا۔

سوئم:- تیسری خصوصیت اس کی الہامی کتاب کا بے نظیر ہونا ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ ژند وستا۔ وید۔ توریت کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے۔ کہ وہ ایک بے نظیر کلام ہیں۔ قرآن مجید کا ہی دعویٰ ہے کہ وہ اپنے کلام میں بے نظیر ہے۔

چہارم:- اسلام کی مذہبی زبان زندہ ہے۔ باقی تمام مذہبی زبانیں مُردہ ہو چکی ہیں۔ ژند وستا کی زبان پہلوی۔ وید کی زبان سنسکرت اور توریت کی زبان عبرانی۔ آج دنیا میں رائج نہیں۔ مگر اسلام کی مذہبی زبان عربی ایک کثیر حصہ زمین پر بولی جاتی ہے۔

پنجم:- پانچویں خصوصیت خود سرور کائنات فخر موجودات حضرت رسول مقبول صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بابرکت وجود ہے، آپ تمام لوگوں کیلئے اُسوہ حسنہ اور کان خلقہ القرآن کے مصداق ہیں۔ گویا اسلام کی تعلیم کا ایک کامل اور عملی نمونہ حضرت رسول مقبولؐ کا مقدس وجود ہے۔

ششم:- اسلام تمام قوموں۔ ملکوں۔ اور زبانوں کیلئے ہے کسی خاص ملک۔ یا قوم یا زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہے، جیسا کہ فرمایا یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعًا۔ اور حدیث نبوی میں ہے۔ کان النبیّ یبعث الیٰ قومہ خاصۃً وبُعِثْتُ الی الناس عامۃً۔

ہفتم:- بانیٔ اسلام حضرت رسول مقبول صلعم کی قوت قدسی بے نظیر ہے۔ اسی قوت قدسیہ کا ہی اثر تھا کہ ایک قلیل عرصہ میں ایک بُت پرست مشرک۔ شرابخور۔ اور تمام عیوب میں ڈوبی ہوئی قوم کو موحّد اور با اخلاق بنا دیا۔ اور انکی جہالت کو دُور کر کے ایک پاکیزہ اور جاودانی حیات سے انہیں متمتع کیا ٭

ہشتم:- اسلام سے کامل عرفان الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ اور مذہب کی اصل غرض یہی ہوتی ہے جسکو یہ پورا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات۔ صفات اور افعال کو کما حقہٗ بیان کرتا ہے۔ اور تمام نقائص کو خدا سے دُور کرتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ ایّا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ

نہم:- اسلام انسان کو بے نظیر روحانی ترقی عطا کرتا ہے۔ اور باقی مذاہب کی طرح اُخروی وعدوں اور باطنی نشانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اپنی اُخروی نعموں کی تصدیق دنیاوی نعمتوں سے کرتا ہے۔ جیسا کہ عربوں کو دُنیا میں ہی پستی سے نکالکر اعلیٰ اور ارفع کر دیا۔

دہم:- اسلام نے عورت کی حیثیت کو قائم کیا۔ اور اسکو وہ حقوق دیئے جو اور کسی مذہب میں نہیں پائے جاتے۔ اسکو پستی اور ذلّت کیحالت کی حالت سے نکالکر مردوں کے دوش بدوش کھڑا کیا۔ اور انعامات اُخروی میں جیسا مردوں کو حصّہ دینے کا وعدہ فرمایا ویسا ہی عورتوں کیلئے بھی وعدہ فرمایا۔ "ذٰلک عشرۃ کاملۃ"

اطلاع ضروری | فہرست مضامین سال گذشتہ فروری کے رسالے کے ساتھ شائع ہوگی ٭

ریویو آف ریلیجنز اردو۔ قادیان دار الامان۔ مورخہ ۵ جنوری سنہ ۱۹۳۷ء۔ رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

ڈابر (ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن) لمیٹڈ

پچاس برس سے مشہور ولایاتی و دیسی پیٹنٹ دواؤں کا ہندوستانی وسیع کارخانہ

صیغہ نمبر ۱۱۷ ۔ پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

STAR (Regd.)

ہیلک مرہم (Regd.)

کٹے جلے۔ چوٹ وغیرہ پر لگانے کا مشہور مرہم

یہ صرف جڑی بوٹیوں سے بنا ہے۔ آگ سے جلنے کا چھالا۔ زہریلے جانوروں کے کاٹنے کی جلن۔ چھری وغیرہ سے کٹنے کا گھاؤ۔ گرنے پھسلنے کی چوٹ وغیرہ اسکے لگاتے ہی فوراً اچھی ہوتی ہے۔ ناگہانی حادثات سے وقت پر آرام پانے کے لئے اس کو ہمیشہ پاس رکھنا چاہیئے۔

قیمت فی ڈبی ۹ر نو آنہ ڈاک محصول ۳ ڈبی تک ۷ر
نمونہ ۲ر جو صرف ایجنٹوں سے ہی مل سکتا ہے

ڈابر جنتری سنہ ۱۹۳۷ء بلا قیمت مفت طلب کر کے ملاحظہ فرمائیے

نوٹ دوائیں ہر جگہ ملتی ہیں۔ خریدتے وقت اسٹار ٹریڈ مارک اور ڈابر نام ضرور دیکھ لیا کریں۔

پنجاب کے خاص خاص شہروں میں سول ایجنٹوں کی ضرورت ہے

(اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپ کر قادیان سے مالکان کیلئے شائع کیا)